پروفیسر محمد الیاس برنی

از ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی*

محمد الیاس برنی صاحب بہت محنتی، حوصلہ مند، ذہین و زیرک انسان تھے، انہوں نے جس میدان میں قدم رکھا اسے سر کر کے چھوڑا، انہوں نے معاشیات پڑھی اور تمام عمر پڑھایا جو لکھا ارباب فن نے اس کی داد دی، اردو ادب کی خدمت کی، اسلام پر بھی لکھا جو لکھا بار بار چھپا اور ہاتھوں ہاتھ نکلا، ان کا اصل میدان روحانیات اور تصوف تھا، دین سے ان کا رشتہ پختہ تھا، فاروقی ہونے کے ناطے ان کی اسلامی غیرت، اخلاص اور دردمندی للّٰہیت وخلوص ہر شعبہ زندگی میں نمایاں و تاباں ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے متحدہ ہندوستان میں قادیانیت کے سلسلہ میں ان سے جو کام لیا وہ اپنی نظیر آپ ہے، علمی و عملی اعتبار سے اس فتنہ کی سرکوبی میں سب ہی شریک رہے ہیں، اکابر دیوبند کی مساعی اس باب میں بہت درخشاں اور روشن ہیں، اب بھی وہی یہ خدمات انجام دے رہے ہیں، اس کا دائرہ کار زیادہ تر اردو زبان تک محدود ہے، یہ کام بین الاقوامی زبانوں میں کرنا وقت کی اہم ذمہ داری ہے، وسائل اور رجال کار کی کمی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ رکاوٹ بھی دور فرمائے، آمین۔

---

* مشرف تخصص علوم حدیث، جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔

الیاس برنی نے "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" میں اپنی طرف سے بہت کم لکھا ہے، میرے بھائی محقق عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کے بقول برنی صاحب نے قادیانی مذہب میں قادیانی کی تضاد بیانیوں کو یکجا کر کے ہر شخص کی نظر میں اسے پکا جھوٹا نبی ثابت کر دکھایا ہے جس کا جواب کسی کے پاس نہیں۔

یہ اللہ کی توفیق اور ان کی ماں کی دعا کا ثمرہ ہے کہ ایسا عظیم کام ان سے لیا اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس گروہ میں بلند مقام عطا کیا جس نے ارتداد کے خلاف جان کی بازی لگائی تھی اور وہ شہرت انہیں نصیب فرمائی جو انہیں کسی تصنیف سے نہ ہوسکی اس دنیا میں انسان کی اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا سعادت ہوسکتی ہے کہ اسے اس جماعت میں شرکت نصیب ہوجائے جس کی سربراہی امت میں افضل بشر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے۔

محمد الیاس برنی نے اپنی اور اپنے دوستوں کی سرگذشت صراط الحمید جلد اول و دوم اور برنی نامہ میں جس انوکھے اور دلچسپ انداز میں پیش کی ہے وہ سبق آموز اور بہت دلچسپ ہے، اردو زبان میں ان کی علمی اور ادبی خدمات گوناگوں ہیں، ان کی مطبوعہ تصنیفات و تالیفات اور تراجم کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے، بعض تصنیفات اپنا جواب آپ ہیں، پاکستان میں کراچی اور لاہور کے مشہور کتب خانے، کراچی یونیورسٹی لائبریری، لیاقت میموریل لائبریری، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، پنجاب پبلک لائبریری میں دو چار کتابوں سے زیادہ نہیں ہیں، انجمن ترقی اردو میں دس پندرہ کتابیں مل جاتی ہیں، اردو ادب کے شائقین اور محققین کے ذاتی کتب خانوں میں ممکن ہے ان کی کچھ زیادہ کتابیں محفوظ ہوں لیکن ان تک رسائی اور تعاون دونوں آسان

کام نہیں، بہرحال جہاں سے جو مل سکا فائدہ اٹھایا اور یہ مختصر مقالہ ترتیب دیا ہے میرے علم میں نہیں کہ کسی محقق نے ہندوستان اور پاکستان کی جامعات میں برنی صاحب کو پی۔ایچ۔ڈی کے لئے موضوع بنایا ہو، ان پر کئی حیثیت سے ڈاکٹریٹ کی جاسکتی ہے۔

نام و نسب | محمد الیاس نام، سلاح الدین لقب اور برنی[1] تخلص تھا۔ باپ کا نام محمد ابراہیم تھا۔ موصوف کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور اس نسبت سے کبھی فاروقی لکھتے ہیں، رسمی تعلیم کے لحاظ سے مولوی نہ تھے لیکن مولوی عبدالحق کی طرح مولوی محمد الیاس بھی کتاب پر لکھا جاتا تھا۔

ولادت | ۲۸ شعبان ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۸۹۰ء یوم شنبہ بوقت ۹ بجے شب اپنے ننھیال خورجہ میں پیدا ہوئے[2]۔

تعلیم و تربیت | ابتدائی تعلیم و تربیت گھر میں پائی۔ چنانچہ برنی صاحب کا خود بیان

[1] سنسکرت میں پہاڑی قلعہ کو ڈرن کہتے ہیں۔ برن کیا تھا؟ ایک بلند اور وسیع ٹیلے پر قلعہ تھا اس کے آثار اب بھی باقی ہیں۔ یہ قدیم سے ایک ہندو راج دھانی تھی، شاید دہلی سے قریب ہونے کے سبب اس کو جنگ میں کوئی خاص اہمیت حاصل ہو۔ جب کہ یہاں راجہ ڈور حکمران تھا۔ سلطان شہاب الدین محمد غوری علیہ الرحمہ نے اس کو ۵۸۶ھ میں فتح کیا تھا۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "صراط الحمید" یعنی سفر نامہ عراق، شام، فلسطین، حجاز۔ ط۲۔ حیدرآباد دکن مطبع برقی؛ اعظم جاہی۔ ۱۳۵۸ھ۔ ج۱ ص۳۱۶-۳۱۸ (قصہ چہار درویش) تاریخی اعتبار سے برن اور عرف عام میں بلند شہر کہلاتا ہے۔ یہ ضلع ہے جو موصوف کا جدی وطن ہے اور خورجہ

اس کی تحصیل ہے، یہ ان کا ننھیال ہے۔ [2] برنی نامہ حیدرآباد دکن، مطبع ابراہیمیہ۔ ۱۹۵۰ء ص۲

ہے "قرآن شریف گھر میں پڑھا، فارسی و حساب، انگریزی وغیرہ والد صاحب سے اس وقت پڑھی تھی جب وہ چند سال کے واسطے حیدرآباد سے تشریف لاکر مکان پر مقیم رہے تھے۔ اس وقت فارسی پر توجہ زیادہ رہی عربی کو اتنا موقع نہ مل سکا جتنا ملنا چاہئے تھا، تاہم قرآن کریم کی برکت سے عربی سے خاصا ربط ہوگیا[1]۔ باپ حیدرآباد میں وکیل تھے، تعطیلات میں کبھی بلند شہر آتے۔ اس لئے ان کی تربیت ماں کی آغوش میں ہوئی[2]۔

وہ بہت دولتمند باپ کی اکلوتی بیٹی تھیں، ساری دولت و جائیداد وغیرہ کی تنہا وارث تھیں۔ اللہ کا دیا گھر میں سب کچھ تھا لیکن ان کی طبیعت کا رنگ ڈھنگ ہی کچھ اور تھا، باوجودیکہ کپڑے اچھے سے اچھے موجود ہوتے تھے لیکن کبھی سادہ لباس پہنتی تھیں اور موٹا جھوٹا ہی کھاتی تھیں اور بچوں کو بھی اسی طرح رکھتی تھیں۔ دکھ درد میں غریبوں کے کام آتیں، دامے درمے سخنے قدمے ان کی مدد کرتی تھیں، اچھا کھانا دوسروں کو کھلاتیں خود جو کی روٹی اور چٹنی پر گزارا کرتی تھیں۔ چکی پیسنے سے انہیں عار نہ تھا بیٹیوں کو چکی پیسنے کی نصیحت کرتی تھیں، چاہتی تھیں کہ بچے عیش پسند نہ بنیں۔ کھانے وقت غریبوں کا خیال آتا تو آب دیدہ ہوجاتی تھیں۔ بہت نرم دل و مسکین طبع تھیں۔ بچوں کی غلطی پر سزا یہ تھی کہ انہیں اپنے ساتھ نہیں کھلاتی تھیں، پاس نہیں بٹھاتی تھیں، عزیزوں میں ساتھ نہیں لیجاتی تھیں۔ یہ ایسی سزا تھی کہ وہ رونے آجاتے تھے، غیر کی ڈانٹ ڈپٹ کو اچھا نہیں سمجھتی تھیں، کہتی تھیں اس سے بچوں کی غیرت نکل جاتی ہے۔ نماز، روزے کی پابند تھیں نقشبندیہ سلسلہ میں بیعت تھیں[3]۔

[1] صراط الحمید ج۱ ص۳۲۱ [2] ایضاً ج۱ ص۳۶۰-۳۲۱ [3] ایضاً ص۳۱۸-۳۲۱۔

ابتدائی و ثانوی تعلیم | لڑکپن میں والدہ صاحبہ کے زیر اثر تربیت پائی، ان کا بیان ہے کہ میٹرک پاس کئے تک ہم ان کی خدمت میں رہے[1] والد صاحب حیدر آباد چھوڑ کر چند سال کے لئے چھٹی میں بلند شہر رہے تو یہاں اپنے لڑکوں کو پڑھاتے، حافظ محمد اسمٰعیل اور محمد اسحاق کو وکالت کے امتحانات کی تیاری کراتے تھے۔ برنی صاحب نے قرآن فارسی حساب انگریزی وغیرہ گھر پر انہی سے پڑھی۔ پھر مڈل کی جماعت میں خورجہ کے ہائی اسکول میں جو سیٹھ لالہ مسٹی مل نے قائم کیا تھا داخل کئے گئے[2]۔ برنی صاحب کا بیان ہے "ابھی میٹرک سال اول میں تھے کہ انسپکٹر سید مہدی حسین بلگرامی تشریف لائے نویں جماعت کی انگریزی کا امتحان لیا، ہماری باری آئی تو ہم بڑھ چڑھ کر بولے۔ ہماری جسارت پر وہ چونکے میٹرک کا طالب علم انگریزی لٹریچر میں دم مارتا ہے۔ اللہ کے فضل سے بات رہ گئی، انسپکٹر صاحب نے رپورٹ اچھی لکھی اسکول کا نام روشن ہوا[3] خانگی تربیت کے سوا خدا کا فضل تھا کہ شروع سے انہیں اچھی صحبتیں ملیں جن سے ان کا دینی مزاج بن گیا۔

خورجہ ہائی اسکول سے ۱۹۰۸ء میں میٹرک کا امتحان اول درجہ میں پاس کیا اور سرکار سے انعامی وظیفہ ملا پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے انعامی وظیفوں کا سلسلہ ایم۔ اے تک برابر قائم رہا۔

۱۸۹۰ء سے اس وقت تک زندگی کا پہلا دور خورجہ بلند شہر میں گزرا[4]۔

علی گڑھ کالج میں داخلہ | ۱۹۰۸ء میں علی گڑھ کالج میں داخلہ لیا۔ یہاں کا ماحول ہی کچھ اور تھا برنی صاحب لکھتے ہیں:

"جب ہم علی گڑھ پہنچے تو لڑکوں نے ہماری وضع قطع خیالات و اعتقادات سے اندازہ

[1] صراط الحمید ج ۱، ص ۳۳۲ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۳۴۲ [4] ایضاً۔

لگایاکر ایک مذہبی دیوانہ آگیا خوب لطف رہے گا۔ مگر اللہ کا فضل اس نے عزت و وقار کے ساتھ ہوشیاروں کے ساتھ بسر کرادی، طالب علمی کے دائرہ میں انعام، تمغے، اعزازی عہدے سب کچھ دلائے.... کالج یونین کی صدارت حلقہ کی بیسود مشرقی بنگال پہنچے"[1]

جنگ طرابلس کے لئے چندہ | جنگ طرابلس و بلقان کے موقع پر اپنی ضروریات مختصر کیں جو ہو سکا خود نکالا اور چندہ کر کے پچاس ہزار کی امداد ترکی پہنچائی الزام لگایا گیا نگرانی رہی حساب میں ایک پائی کا فرق نہ آیا۔

بی اے میں کامیابی کا ثمرہ | ۱۹۱۲ء میں بی اے میں برنی کی کامیابی سب سے اعلیٰ رہی جس کی پوزیشن صوبہ میں ایسی ہوتی تھی ڈپٹی کلکٹری اس کے قدم چوما کرتی تھی۔ چنانچہ بلا درخواست ایسے طالب علم کا ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر تقرر کیا جاتا تھا انہیں بھی اس کا مستحق قرار دیا گیا[2]۔

استادوں کی توجہ اور شفقت | علی گڑھ میں جو بزرگ خدا رسیدہ استاد ملے ان سے ان کا تعلق قائم رہا اور یہ ان کی توجہات کا مرکز بنے رہے ان میں مولانا خلیل احمد تھے جن کے متعلق وہ لکھتے ہیں حضرت کی صحبت میں اسلام کی رفعت کا کچھ اندازہ ہوتا تھا۔ یوں تو طلبہ کے ساتھ اخلاق عام تھا لیکن ہم پر عنایت و محبت اس درجہ بڑھی کہ ملے بغیر چین نہیں، گفتگو کی وہ نوبت کہ تخلیہ لابد۔ کالج میں پروفیسر بنے رہے دینیات اور عربی ادب پڑھاتے رہے اپنا کام بھی کرتے رہے مگر کالج کا رنگ کچھ سے کچھ ہو گیا[3]۔

برنی نے "بی اے" پر بس نہیں کیا نہ ڈپٹی کلکٹری کی طرف دیکھا شملہ سے پرنسپل

[1] صراط الحمید ج ۱ ص ۳۴۲ [2] ایضاً ۳۴۵، ۳۴۶ [3] ج ۱ ص ۳۲۳۔

مسٹر ٹول جو ان کے استاد بھی تھے اور ان کی طبیعت سے واقف تھے ان کا خط آیا، اس میں لکھا "مجھے کسی صورت پر اصرار نہیں چاہو ملازمت کرو چاہو تعلیم جاری رکھو۔ استاد کا اشارہ ظاہر تھا کہ تعلیم بہتر ہے"، برنی صاحب کی خواہش بھی یہی تھی مگر والدین کی رضامندی درکار تھی، وہاں حوصلہ کی کمی نہ تھی انہوں نے بھی اجازت دے دی برنی صاحب کے ملازمت نہ کرنے کے عذر کی خبر جب میگزین میں چھپی تو اقربا و احباب نے شور مچایا یہ کفران نعمت ہے کوتہ اندیشی اور غرور ہے لیکن ہم خوش والدین خوش تو اللہ خوش[1]

علی گڑھ میں ایم اے معاشیات میں داخلہ لیا اور ساتھ ہی ایل ایل بی بھی کرتے رہے۔

سوسائٹی کی عمارت میں قیام اور ایک بزرگ سے ملاقات اور دوستی

اب کالج کا بورڈنگ چھوڑ کر وہ سوسائٹی کی عمارت میں آگئے یہ گویا گریجویٹوں کا بورڈنگ تھا۔ یہاں قریب ہی بنگلہ میں عبداللہ نام کے ایک بزرگ رہتے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی، تعلق بڑھا۔ برنی صاحب ان کے متعلق فرماتے ہیں۔ یہ سن رسیدہ بزرگ مردانہ حسن کا نمونہ تھے ان کا تکیہ کلام جل جلالہ تھا جرمن، فرانسیسی، انگریزی، عربی، فارسی، اردو کئی زبانوں میں عبور تھا قوم کے جرمن تھے، جنات سے بھی ربط تھا۔ باپ ان کے ہندوستان میں ڈاک خانہ جات انسپکٹر جنرل رہ چکے تھے، یہ بغداد میں مسلمان ہوئے اور علی گڑھ میں انتقال ہوا تعلیم یافتہ طبقہ میں ان کا خوب فیضان تھا۔ بہت پہنچے ہوئے بزرگ تھے، دوستی بڑھی بے تکلفی بڑھی، برنی صاحب کہتے ہیں:

[1] صراط الحمید ص ۳۴۶۔

• حضرت نے انتہائی محبت سے چاہا کہ خاص خاص شغل مفیدہ سہولت سے طے کرا کر بعض نادر کمالات سے سرفراز فرمائیں لیکن اپنا ذوق ہے۔ کمال کے اکتساب پر طبیعت آمادہ نہیں ہوئی، اگر بے کمالی تحقیق ہو جائے، یہی انسان کا سب سے بڑا کمال ہے حضرت اصل منشا پا گئے اس کو عالی ہمتی قرار دے کر بہت داد دی سینہ سے لگایا کہ اب کسی کمال کے حصول کی ضرورت نہیں ہزار کمالات ہوں، عبدیت ہی اصل اور انتہائی مقام ہے۔ اس میں خوف و گزند نہیں حفاظت یقینی ہے"[1]

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کے اعزازی پرنسپل اسسٹنٹ

تعلیم کا آخری زمانہ تھا اس زمانے میں مسلم یونیورسٹی کے قیام کا کام چل رہا تھا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد یونیورسٹی کے کانسٹی ٹیوشن کمیٹی کے معتمد تھے۔ برنی اعزازی پرنسل اسسٹنٹ کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کام کرتے تھے، ڈاکٹر صاحب دل کھول کر کھلاتے اور کس کر کام لیتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب طلبہ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور خود بہت ہر دل عزیز تھے۔ سر راس مسعود بھی یہاں آتے تھے اسی زمانے میں ان سے بھی دوستی ہوئی[2]

اسی طرح برنی صاحب نواب وقار الملک بہادر المتوفی ۱۹۱۷ء کے بھی اعزازی مددگار رہے، یہاں خورد و نوش کہاں مگر صحبت ایسی نعمت تھی جس کا کوئی بدل نہ تھا شام کو جب فرصت ہوئی تو راس مسعود تشریف لاتے ڈاکٹر صاحب سے بہت تعلق تھا، روزانہ یہی معمول تھا[3]

علی گڑھ میں سر آدم جی پیر بھائی کے پوتوں کی اعزازی اتالیقی

سر آدم جی پیر بھائی وہ شخص تھے جنھوں نے یک مشت لاکھ روپیہ نقد دیا تھا جس سے علی گڑھ کالج میں

[1] صراط الحمید ج ۱ ص ۳۲۳-۳۲۴ [2] ایضاً ص ۳۳۳ [3] ایضاً ج ۲ ص ۲۰۔

سائنس کا شعبہ قائم کیا گیا تھا۔ سر آدم جی نے جب اپنے پوتوں حسن علی، محبت علی، اشرف علی کو اسکول میں داخل کیا، انہیں ان کی اخلاقی تربیت کا بہت خیال تھا۔ نواب وقار الملک نے بہت غور و خوض کے بعد برنی صاحب کے سپرد کیا۔ موصوف نے اتالیقی کی خدمت بعض اختیارات و شرائط کے ساتھ قبول کی، چونکہ اقتدار برتنا ضروری تھا۔ اس لئے معاوضہ قبول کرنے سے معذرت کی اعزازی حیثیت سے یہ ذمہ داری قبول کی ان سے تعلقات بھی قائم رہے۔

یوں برنی صاحب کی راس مسعود المتوفی ۱۹۳۷ء سے دوستی ہوگئی اور تعلقات میں اتنی ترقی ہوئی کہ جب راس مسعود کی علی گڑھ میں شادی ہونے لگی تو ان کے قدیم دوست بہت تھے لیکن انہوں نے اس موقع پر برنی صاحب کو سینہ سے لگایا اور کہا تم میرے حقیقی بھائی کے برابر ہو۔ شادی کا اہتمام تم اپنے ذمہ لے لو تو مجھے اطمینان اور خوشی ہو، چنانچہ لینا، دینا، نقدی، نیوتہ، بری، جہیز کل اہتمام ان کے ہاتھ میں رہا اللہ تعالیٰ نے حسن انجام سے سرخرو فرمایا۔ اس شادی کی مصروفیت میں ایک ہفتہ ایسا گزرا کہ نہ دن کی خبر نہ رات کا ہوش مگر خوشی کا جوش تھا نہ گرانی نہ تکان جب موقع ملا کھا لیا جب موقع ملا سو لئے، ہر دم تازہ دم، عجیب تقریب تھی۔ اس کے بعد ان سے دوستی و محبت اور پختہ ہوگئی[1]

شہسواری

کالج میں ہمیشہ سے کھیلوں کا معیار بلند رہا باقاعدہ ٹیم میں جگہ نہ پا سکے، کپتان وغیرہ تعلق میں اچھے تھے۔ اپنی ٹیم بنا کر کھیلتے تھے[2] گھوڑے سواری کا اسکول تھا جس میں بارہ گھوڑے تھے یہ سیکھی گرے پڑے بعض موقع پر جان پر بھی بنی۔

۱؎ صراط الحمید ج ۱ ص ۳۳۴ ۲؎ ایضاً ص ۳۴۴۔

اللہ کا فضل رہا حادثہ سے محفوظ رہے، اس کی امتحانی دے کر سند بھی لی اور والد کی ہدایت پر عمل کیا کہ بغیر وضو گھوڑے پر سوار نہ ہوا اور سواری کے وقت آیت شریفہ پڑھی۔ والد یہ دونوں باتیں مسنون بتاتے تھے[1] کالج میں تیراکی سیکھنے کے لیے حوض نہیں بنایا گیا تھا اس لئے یہاں نہ سیکھ سکے[2]

قادیانیوں سے معرکہ آرائی

قادیانیوں سے معرکہ آرائی قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ اور "قادیانی قول و فعل" میں ملاحظہ فرمائیے جو ہندو پاک میں ہر جگہ دستیاب ہے۔

بی اے کو معاشیات پڑھانے پر تقرر

ایم اے میں داخلہ ہوجانے کے بعد علی گڑھ کالج میں بی اے کی کلاس کو معاشیات پڑھانے پر ان کا تقرر عمل میں آیا اور چار برس تک علی گڑھ کالج میں پڑھایا۔ نتائج بہت اچھے رہے اور طلبہ بھی خوش رہے، بجٹ میں گنجائش نہ تھی ڈائننگ ہال کی بچت سے سو روپے ماہوار الاؤنس دیا جاتا تھا تین مہینے کی چھٹی میں یہ بند رہتا تھا اس حساب سے اوسط پچھتر روپیہ ماہوار ہی ہوتا تھا۔ برنی کہتے ہیں ہم ممنون تھے کہ بی اے کی تعلیم کا موقع ملا[3]

یہ ایسا زمانہ تھا کہ ہندوستانی پروفیسروں کو بھی بی اے کلاس نہیں ملتی تھی۔ اس لحاظ سے بھی یہ ایک اعزاز تھا۔

حیدرآباد دکن سے ولایت میں حصول تعلیم کے لئے وظیفہ کی منظوری

برنی صاحب نے بی اے کو معاشیات پڑھانے کے زمانے میں ولایت میں مزید تعلیم کی غرض سے وظیفہ کے لئے حیدرآباد میں کوشش کی۔ چنانچہ سید مہدی حسن بلگرامی سے ملے، انہوں نے اسکول میں معائنہ کے موقع پر جو امتحان لیا تھا، یاد دلایا پھر کیا تھا وہ

۱؎ صراط الحمید ص ۳۴۴ ۲؎ ایضاً ص ۳۴۵ ۳؎ ایضاً ص ۳۳۲

مدد کے لئے تیار ہوگئے اور اسکالرشپ کمیٹی کے ارکان کے پاس انہیں لے گئے وہ مہربانی سے پیش آئے لیکن بات فینانس کے صدر المہام مسٹر گلانسی پر ٹھہری۔ موصوف سے پہلی ملاقات ہی میں معاشی مسائل پر طویل بحث چلی وہ اتنا خوش ہوئے کہ اسی نشست میں خلاف معمول وظیفہ کا وعدہ فرمایا، وظائف میں گنجائش نہ تھی۔ ایک خاص وظیفہ منظور کراکر وعدہ پورا کیا[1] اور کیمبرج میں داخلہ کا انتظام ہوگیا۔ روانگی میں ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا کہ یورپ میں جنگ چھڑ گئی اور جانا ملتوی ہوگیا لیکن دس برس ۱۹۲۴ء تک یہ وظیفہ برنی صاحب کے نام پر باقی رہا اور جب انہوں نے ولایت جانے سے معذرت کردی تو وہ منسوخ ہوگیا[2]

اس طرح برنی صاحب کی زندگی کا دوسرا دور ۱۹۰۸ء تا ۱۹۱۷ء علی گڑھ میں گزرا[3]

ماں کی دعا کا ثمرہ اور انتقال

برنی صاحب نے اپنی والدہ کے سنہ انتقال کی تصریح سفرنامے میں کہیں نہیں کی۔ تاہم وہ ۱۹۳۴ء تک بقید حیات تھیں اور برنی صاحب کا جو وظیفہ سرکار حیدرآباد سے منظور ہوا تھا اس کے لئے وہاں اس عرصہ میں بارہا سرکار کی طرف سے بار بار تقاضا ہوتا رہتا تھا، ان کی والدہ نے بھی کئی مرتبہ انہیں تنہائی میں سمجھایا کہ اپنی ترقی کا یہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دو۔ میں بخوشی تم کو سفر کی اجازت دیتی ہوں لیکن برنی صاحب کو ان کی ضعیفی اور پیری میں اپنی جدائی کا صدمہ[4] انہیں دینا گوارا نہیں تھا چنانچہ ان سے دریافت کیا کہ جدائی میں آپ کا کیا حال ہوگا۔ ماں نے کہا اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی، دل پر کس کو قابو ہے۔ تاہم جب میں خوشی سے اجازت دے رہی ہوں تو تم پر کوئی ذمہ داری نہیں، برنی صاحب نے کہا:

[1] صراط الحمید ج ۱ ص ۳۲۲ و ۳۲۹ [2] برنی نامہ ص ۲ [3] صراط الحمید ج ۱ ص ۳۴۷-۳۴۸۔

ہم بھی تو دل سے مجبور ہیں، اس قیمت پر ہم کو ترقی مطلوب نہیں، صبح کا سہانا وقت تھا یہ فقرہ سن کر والدہ کا دل بھر آیا، دوپٹہ کا پہلو پھیلا کر وقت سے برنی صاحب کے حق میں دعا کی وہ کارگر ہوئی اور برنی صاحب کو بڑی عزت و ترقی ملی ان کے والد بھی ان کی اس استقامت پر بہت خوش ہوئے اور برنی صاحب کو تصنیف و تالیف کا چسکا لگ گیا۔

ملازمت کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، دنیا نے گھیر لیا۔

اس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلاد اسلامیہ کے سفر سے پہلے وہ اللہ کو پیاری ہوگئی تھیں، انتقال کا واقعہ بھی عجیب ہے برنی صاحب فرماتے ہیں:

”صرف دو تین روز علالت رہی ایک دن علی الصباح جب آسمان صاف تھا، یٰسین شریف سنتے سنتے فرمانے لگیں کیسے بادل آتے ہیں کیسی خوش رنگ گھٹائیں ہیں کیسی ٹھنڈی ہوا ہے کیا سہانا وقت ہے۔

حضرت والد صاحب نے فرمایا۔ الحمد للہ برزخ کھلا تو رحمت کی گھٹائیں نظر آئیں۔ منزل قریب معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اِدھر اُدھر دیکھا جیسے کوئی نئی جگہ غور سے دیکھتا ہے، کلمہ پڑھا تو منکا ڈھل گیا اور جنت کو سدھاریں۔“[1]

جامعہ عثمانیہ کے دار الترجمہ سے وابستگی

۱۹۱۷ء میں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں دار الترجمہ کا قیام عمل میں آیا تو اچانک ان کے مخلص دوست سر راس مسعود نے جو جامعہ عثمانیہ میں ناظم تعلیمات تھے کالج کے پرنسپل اور برنی صاحب دونوں کو تار اور خط بھیجا کہ برنی کو چھوڑ دو وہ یہاں آئیں حیدرآباد میں باپ، بھائی،

[1] صراط الحمید ج ۱ ص ۳۰۱ و ص ۳۲۱۔

سب برسرکار تھے، کام بھی اردو کا تھا پرنسپل نے روکنا چاہا لیکن دس دن میں اجازت مل گئی اور ۱۱ستمبر ۱۹۱۱ء کو برنی صاحب حیدرآباد آگئے۔ دارالترجمہ میں معاشیات میں ترجمہ کا کام سپرد ہوا اور مختلف عہدوں پر کام کیا۔

دو سال بعد جامعہ عثمانیہ میں کالج کھل گیا تو معاشیات کا شعبہ ان کے سپرد ہوا اور ترجمہ و تصنیف کا کام بھی ہوتا رہا[1]۔

اس طرح معیشت الہند اور علم المعیشت اور کئی کتابیں تالیف ہوگئیں جو دارالترجمہ سے شائع ہوئیں۔ تقریباً ۱۶ سال جامعہ عثمانیہ میں صدر شعبہ معاشیات کی حیثیت سے تعلیم دی۔ ضمناً کالج میں سال دو سال وقتی طور پر معاشیات کے پروفیسر بھی رہے[2] اور پانچ سال تک دارالترجمہ میں ناظم رہے[3]۔

بزرگوں سے فیض | برنی صاحب کو روحانیات و تصوف سے فطری دلچسپی تھی بچپن ہی سے بزرگوں کی صحبت میسر آتی رہی۔ ان کا بیان ہے:

"لڑکپن تک خورجہ کے قیام میں حکیم سید زین العابدین ایک صاحب نسبت و صاحب کرامت بزرگ کی تعلیم سے فیض ملتا رہا علی گڑھ کالج کے دس سالہ قیام میں حضرت مولانا خلیل احمد اور حضرت عبداللہ شاہ قادری کی عنایات و التفات سے قال و حال میں جان پڑ گئی، وہ سنا وہ سمجھا اور وہ دیکھا کہ اللہ کی شان نظر آنے لگی[4]"

اور جب حیدرآباد میں آنا ہوا تو لکھتے ہیں:

"یہاں بزرگوں کا کیا کہنا ماشاء اللہ حقائق و معارف کے چمن کھلے ہوئے ہیں البتہ ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

۱؎ صراط الحمید ج ۱ ص ۳۴۹-۳۵۰۔ ۲؎ برنی نامہ ص ۲۶ ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً ص ۵۔

جامعہ عثمانیہ میں عبدالقدیر صدیقی سیما براہیم ادیب پروفیسر شعبہ عربی سے گفتگو میں ہوتیں تو ایمانیات اور تصوف کے مسائل تازہ ہوجاتے، ملاقاتوں میں بڑی خیر و برکت رہی[1]۔

بیعت و خلافت | مرشد کی طلب و تمنا کیسے پوری ہوئی اس کا حال برنی صاحب ہی کی زبانی سنئے، فرماتے ہیں:

"ابتداءً (۱۹۱۷ء-۱۹۲۱ء) جب محلہ جام باغ ترپ بازار میں قیام تھا حسن اتفاق کہئے مشیت الٰہی کی کسی تحریک کے بغیر ایک دن بعد نماز فجر نادانستہ طور پر کرایہ کے مکان کا خیال آیا ایک نو تعمیر مکان پر کرایہ کے لئے خالی تختی لگی ہوئی تھی دستک دی ماما آئی، پھر بحیثیت مکاندار ایک بزرگ آئے، تعارف ہوا یہ شاہ محمد حسین صاحب تھے جو عارف باللہ شاہ کمال قادری کیتھلی والے کے خلیفہ تھے ان سے بات طے ہوگئی، پھر دینی و روحانی روابط بڑھے اور راہ حق کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ چلا[2]۔"

یہ وجودی بزرگ تھے۔ ماہ شوال ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۵ء میں موصوف کے دست حق پرست پر قادری چشتی نقشبندی سلسلوں میں بیعت کی پھر خلافت سے سرفرازی حاصل کی اور جب موصوف ناظم عدالت بھستائی وغیرہ چلے تو خط و کتابت کا سلسلہ قائم رہا چنانچہ مورخہ ۱۱ خورداد ۱۳۳۶ف کو شاہ محمد حسین نے ایک گرامی نامہ میں لکھا:

"میری دعا ہے کہ آپ کے فیض ولایت سے سارا عالم فیضیاب ہو یہ قیام خانوادۂ الیاسیہ علوم الٰہیہ کی تبلیغ مقتضائے وقت کے مطابق ہو آپ کا وجود نورانی اور نور ہے کہ جس سے افراد عالم متمتع ہوگا۔ الحمد للہ کہ اس کے آثار مختلف اعتبارات سے

۱؎ برنی نامہ ص ۵ ۲؎ ایضاً ص ۶۔

نمایاں ہورہے ہیں جب کام اخلاص سے ہو تو مقبولیت یقینی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں برکت اور ہر قسم کی نصرت شامل رکھے۔ آمین ثم آمین"۔

خلافت نامہ پر دستخط کئے اور نقل پر شاہ کمال اللہ شاہ کے دستخط کے ساتھ بطور گواہ عبدالخالق خاں اور محمود علی بیگ کے دستخط کرا کر بھیجا اور برنی صاحب کو تاکید کی تھی کہ یہ سلسلہ جاری رکھیں چنانچہ مصروفیت کے باوجود خاص دائرہ میں اس پر عمل ہوتا رہا شاہ محمد حسینؒ کی وفات کے بعد مریدوں کا مطالبہ شدت اختیار کر گیا تو ۹ر ذوالحجہ دوشنبہ ۱۳۷۶ھ ۲۶ر جولائی ۱۹۵۷ء سے بیعت کا عمومی آغاز برنی صاحب کے اپنے خاندان سے ہوا[1]

اس سے پہلے محدود حلقہ میں جو کام جاری تھا وہ بھی تکمیل کو پہنچا چنانچہ مرزا محمود علی بیگ، عبدالحلیم، عبدالخالق خاں، غلام دستگیر رشید اور احمد حسین خاں کو ۲ر ذی الحجہ مطابق ۱۹ر جولائی ۱۹۵۷ء کو خلافت سے سرفراز کیا گیا[2]

فن تجوید و قرأت کی تحصیل برنی صاحب نے اس فن کو مولانا عبدالقدیر صدیقی[3] قادری حیدرآبادی (۱۲۸۸-۱۳۸۱ھ) سے سیکھا تھا۔ فرماتے ہیں:

"حضرت کی صحبت میں ہم کو بھی قرأت کا خیال پیدا ہوا، اول تو ہم اس کو محض زیبائش اور تکلف سمجھتے تھے مگر جب سمجھے تو معلوم ہوا کہ تلاوت قرآنی میں اس کی بڑی ضرورت ہے بلکہ قرأت کا حق ادا کرنا ہو تو قرأت لابد ہے۔

---

[1] برنی نامہ ص ۱۲ [2] ایضاً [3] صراط الحمید ج ۱ ص ۳۰۸-۳۰۹، موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو صراط الحمید ج ۱ ص ۳۰۵-۳۱۳ و تذکرہ قاریان ہند۔ مرتبہ بسم اللہ بیگ۔ کراچی۔ میر محمد کتب خانہ (۱۳۶۱) قرائے دکن، ص ۱۷-۱۸۔

البتہ عام طور پر اس کے نکات و تفصیلات جاننے ضرور نہیں۔ بنیادی اصول جاننے کافی ہیں۔ ان کی مشق ہو جائے تو تلاوت درست ہو جائے صحتِ تلاوت سے قرآن کریم کا لطف آئے فیض کا راستہ کھل جائے یہ کام اتنا دشوار نہیں جتنا دشوار سمجھتے ہیں، چنانچہ چند ماہ کی توجہ اور محنت سے ہم نے فن قرأت کو سمجھا۔ اس کی مشق کی حتیٰ کہ قرأت کے قاعدہ سے حضرت کو تمام قرآن کریم از اول تا آخر ایک ماہ میں پڑھ کر سنایا۔ حضرت نے ہمارے عبور کو پسند فرمایا اور اطمینان ہونے پر قرأت کی سند عطا کی لیکن پختگی کے واسطے مزاولت کی ضرورت ہے، جب تک کافی مدت دور نہ رہے مشق پختہ نہیں ہوتی فن قابو میں نہیں آتا۔ ہم اپنی مصروفیتوں سے ہمیشہ عاجز رہے۔ ع ایک تبرد ہزار سودا۔ ہمیشہ یہی حال رہا۔ دور باقاعدہ جاری نہ رکھ سکا۔ درمیان میں وقفے ہوتے رہے۔ نتیجہ یہ کہ عبور غائب ہو گیا۔ سرسری خاکہ ذہن میں رہ گیا۔ پھر موقع ملے تو تجدید کی جائے۔ جس زمانہ میں عبور حاصل تھا۔ رفاہ عام کے خیال سے کہ فن قرأت کے سمجھنے میں آسانی و دلچسپی ہو جدید طرز پر ایک رسالہ بھی لکھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ تقریباً نصف لکھ لیا مگر پھر جو سلسلہ ٹوٹا تو اب تک نہ جڑ سکا۔ مسودہ یوں ہی ادھورا پڑا ہے اور فی الحال عبور بھی باقی نہیں۔ اللہ کو منظور ہو اور آئندہ موقع ملے تو امید ہے کہ منصوبہ پورا ہو جائے۔ فن قرأت پر رسالہ شائع ہو جائے"۔ وما توفیقنا الا باللہ۔ (ج ۱ ص ۳۰۸-۳۰۹)

بعد میں یہ کتاب مکمل کی۔

کھیلوں پر تبصرہ بنوٹ کے فن پر رسالہ کھیلوں سے بھی دلچسپی تھی اور بنوٹ کے بارے میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا، جس پر دلچسپ گفتگو کی ہے ملاحظہ ہو:

"یوں تو ہر کام میں قوت کی ضرورت ہے۔ لیکن کشتی میں جتنی قوت درکار ہے بنوٹ میں اس کی اتنی ضرورت نہیں۔ رگ پٹھوں سے کام زیادہ لیتے ہیں حریف بآسانی زیر ہو سکتا ہے۔ فن سے کام لیں تو تھوڑی سی قوت کافی ہوتی ہے اور یہی بنوٹ کی بڑی خوبی ہے۔ دست بدست پکڑ کے سوا۔ خنجر تلوار سے بھی مقابلہ کرتے ہیں، لیکن سب سے زیادہ کمال چھڑی میں ظاہر ہوتا ہے اور یہی اس کا خاص ہتھیار ہے۔

کھیل اور ورزش کا تو پہلے ہی شوق تھا۔ حیدرآباد میں بنوٹ کی فضا تھی حضرت مولانا عبدالقدیر حیدرآبادی کی دیکھا دیکھی ہمیں بھی شوق ہوا۔ حضرت کے ہاں کام دیکھا۔ پھر حضرت ہی مشورے سے ایک مستند استاد مقرر کیا۔ اس سے کئی سال کام سیکھا۔ ان دنوں علی گڑھ جانے کا اتفاق ہوا تو مسلم یونیورسٹی میں بریلی کے ایک استاد سید صاحب بنوٹ سکھانے پر مامور تھے۔ اچھے استاد تھے۔ انہوں نے بھی کام دکھایا۔ پھر بنگلور، میسور جانا ہوا تو وہاں بھی پرانے استاد جمع ہوئے۔ کام کا مظاہرہ ہوا۔ غرض کہ بہت کچھ دیکھا اور خود بھی سیکھا تھا۔ کام میں فنی حیثیت سے ایک بڑی خامی نظر آئی۔ وہ یہ کہ اصول کا فقدان تھا۔ عمل میں کوئی اصولی ربط نہ تھا۔ جو فن کے واسطے لابد ہے۔ بس مشق ہی مشق تھی۔ یہ کام کیا وہ کام کیا۔ دہراتے دہراتے مشق ہوگئی۔ جیسے کوئی اقلیدس کی چند متفرق شکلیں یاد کرلے مگر یہ نہ جانے کہ نقطہ کیا ہے۔ خط کیا ہے؟ سطح کیا ہے۔ جسامت کیا ہے؟ اصول کیا ہیں اشکال کیا ہیں۔ ان میں ترتیب کیا ہے۔ تعلق کیا ہے۔ ثبوت کیا ہے۔ نتیجہ کیا ہے؟ اور جب تک فن میں لوازم نہ ہوں محض رسمی تقلید پر تعلیم یافتہ نوجوان آمادہ نہیں ہوتے۔ چنانچہ یہ صورت حال دیکھ کر ہم نے کئی سال غور و فکر کیا۔ تجربات کئے کہ علم و عمل کا کوئی

اصولی ربط قائم ہو جائے تو فن میں جان پڑ جائے۔ جس حد تک بھی کامیابی ہوئی خدا کا شکر ہے۔ چنانچہ اپنی تحقیقات کے مطابق اس فن میں ایک رسالہ تصنیف کرلیا البتہ طبع نہیں کرایا۔ اول تو زمانہ کی نزاکت مگر اس کا طرز بیان حسن اتفاق سے ایسا بن پڑا جس کو سمجھا دو اس کے واسطے آئینہ جس کو نہ سمجھاؤ اس کے واسطے معمہ۔ دوسرے خوف یہ کہ رسالہ کی اشاعت پر تعلیم کی فرمائش بڑھی تو اپنے پاس وقت کہاں خود ہم کو مزاولت کہاں؟ تاہم ممکن ہے آئندہ کوئی صورت نکل آئے اور محنت کام آئے۔ ان شاء اللہ۔"[1]

(باقی)

[1] صراط الحمید ج ۱ ص ۳۰۹۔۳۱۰

پروفیسر محمد الیاس برنی

از ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی ٭

(۲)

۱۹۲۷ء میں بلاد اسلامیہ کا سفر اور حج و زیارت کا شرف

برنی صاحب کے مرشد شاہ محمد حسین چشتی قادری نے سنہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں حج کیا تو آکر انہیں بشارت دی کہ ان شاء اللہ قریب ہی آپ کو بھی یہ سعادت نصیب ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ برنی صاحب نے ایک دن فرصت میں مولانا عبدالقدیر صاحب حیدرآبادی سے دوران گفتگو میز سے جنتری اٹھائی تعطیلات پر نظر پڑی تو رخصت ملا کر دیکھا اتنی مدت ہوگئی سفر بخوبی کیا جاسکتا ہے[۱]

عبدالقدیر صاحب، ان کے مرید سید حبیب علی[۲] اور مخلص دوست لطف احمد[۳] بھی تیار ہوگئے۔ دو سید ایک صدیقی اور برنی فاروقی چاروں کا قافلہ تیار ہوگیا۔ امیر قافلہ برنی صاحب کو بنایا گیا چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

"خدا کا فضل تھا ایک جان چہار قالب تھے، یک دل و یک زبان تھے۔ چنانچہ ہمارے دوست سید امجد حسین امجد فرماتے ہیں نہ

---

[۱] صراط الحمید ج ۱ ص ۵۱ [۲] ایضاً ص ۳۱۱ - ۳۱۳ [۳] ایضاً ص ۳۱۵۔

٭ مشرف تخصص علوم حدیث، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن، کراچی۔

اک راگ بنا ہے مختلف سر مل کر تصدیق ہوئی چند تصور مل کر

برنی، حسرت، حبیب، لطف احمد اک جسم بنا ہے چار عنصر مل کر[1]

قرآن کریم کھولا یہ آیت شریفہ نکلی:

وَهُدُوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ٥

اس سفرنامہ کا نام "صراط الحمید" رکھا...... جیسی نظر ویسی دید، جیسی طلب ویسی یافت ؎

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

بہر حال روحانی فیوض و برکات کی بحث بہت نازک ہے جس پر گزرے وہی جانے ؎

لذتِ مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی "

برنیؒ اس سفر کی مدت اور اس کی برکات کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

"یکم رمضان المبارک مطابق ۶ مارچ ۱۹۲۷ء کو روانہ ہوئے اور ۲۹ ذی الحجہ مطابق ۲۰ جون ۱۹۲۷ء کو گھر لوٹ آئے۔ چار ماہ میں اللہ تعالیٰ نے اتنی وسعت و برکت دی کہ عراق، شام، فلسطین اور حجاز، دور دراز ممالک کا سفر طے ہوگیا۔ بغداد شریف و ملحقاتِ شریفہ میں دو ہفتے، دمشق میں ایک ہفتہ، بیت المقدس میں ایک ہفتہ، مدینہ منورہ میں تین ہفتے، مکہ معظمہ میں دو ہفتے غرض ... قدم قدم پر اور لمحہ لمحہ پر تائیدِ ایزدی اور لطائفِ غیبی کا جلوہ نظر آتا تھا جو چشمِ بصیرت کھولتا اور نورِ ایمان بڑھاتا تھا۔"

مدینہ میں معمولات اور حرم نبوی میں جاروب کشی

حرمِ نبویؐ میں ہر ایک کا اپنے اپنے اوقات میں اپنا اپنا معمول ہوتا ہے۔ برنی صاحب کا معمول یہ تھا:

[1] صراط الحمید ج ۱ ص ۱۶

شب کو ڈھائی کے قریب حرمِ شریف کے دروازے کھلتے ہیں حاضر رہتے۔ فرطِ شوق سے، بڑے ادب سے لمبے لمبے قدم آہستہ آہستہ رکھتے، گویا دبے پاؤں جاتے، روضۃ الجنۃ میں تلاوت کرتے، محراب النبیؐ میں نماز پڑھتے مواجہ شریف میں درود و سلام پیش کرتے، پھر وظیفہ پڑھتے، فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی تاروں کی چھاؤں میں جنت البقیع میں دوڑ جاتے، نورِ ظہور کے وقت وہاں بھی یک سوئی ہوتی، سب ہی مزارات پر بلاناغہ حاضر ہوتے، فاتحہ پڑھتے اور حضرت سیدہ خاتون جنت کے مزار پر دیر تک حاضر رہتے، مگر دل نہ بھرتا تھا طلوعِ آفتاب کے بعد حجاج کی آمد ہوتی اس وقت فاتحہ سے فارغ ہوکر حرمِ شریف واپس پہنچتے۔[1]

یہاں خدام کے ساتھ جھاڑو بہارو کے کام میں شریک ہوجاتے، ریاض الجنۃ میں فرش جھاڑتے، جھاڑو دیتے، خدام میں نام شامل کراتے، غیر حاضری پر باز پرس ہوتی تھی، کام دل کھول کر کرتے اور لطف اٹھاتے۔[2] چنانچہ فرماتے ہیں:

"اس میں ایک آدھ گھنٹہ صرف ہوتا، صبح ۷-۸ بجے کے قریب فراغت ہوتی تو مکان پر آتا، ناشتہ کرکے سوجاتا، دوپہر کو اٹھتا۔"[3]

حرمِ نبوی میں رات کو ٹھہرنے کے لیے خصوصی اجازت درکار ہوتی، درخواست کی منظوری منتظمین کی صواب دید پر موقوف ہوتی تھی۔ برنی صاحب اور ان کے دوستوں نے بھی اجازت مانگی تو مل گئی۔ برنی صاحب اس کی داستان یوں بیان کرتے ہیں:

"۶-۷ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ یوم یکشنبہ دوشنبہ کی درمیانی شب حرم شریف میں بسر ہوئی۔ اس شب کا کیا کہنا۔ زہے قسمت، زہے نصیب، عشار کی نماز پڑھ کر

[1] صراط الحمید ج ۱ ص ۱۳ [2] ایضاً ص ۱۲۹ [3] ایضاً۔

ہم چاروں اغوات کے چبوترہ پر بیٹھ گئے، نمازی رخصت ہوئے پھر خدام رخصت ہوئے، شاید کوئی خادم اندر رہ گیا ہو مگر نظر نہیں آیا، حرم شریف کے دروازے بند ہوگئے، روشنی مدہم ہوگئی، غرض تخلیہ ہوا تو عجب شانِ جلالت کے آثار محسوس ہونے لگے، بے اختیار دل عظمت سے بیٹھا جاتا تھا، ہم چاروں اندر سے اٹھ کر باہر صحن میں آبیٹھے، نوافل، ذکر وفکر، صلوٰۃ وسلام میں ہر کوئی اپنے اپنے ذوق کے مطابق مشغول ہوگیا، شاید نیند آئے مگر کیا ممکن ہے کہ پلک جھپکے، البتہ محویت ضرور تھی رات ڈھلی تو ۲ بجے کے قریب دلوں پر جمال چھاگیا، رؤف رحیم کا رنگ آگیا۔ صاف معلوم ہوا کہ اب حاضر ہونا چاہئے [1]

الحمد للہ اس سے بڑھ کر زندگی میں کون سا وقت آسکتا ہے۔ اٹھے اور لڑکھڑاتے بارگاہِ اقدس کی طرف چلے کسی کے دل میں تخلیہ کی تمنا تھی خدا کی قدرت تینوں رفیق نماز کے واسطے روضۃ الجنۃ میں ٹھہر گئے اور ایک دیوانہ اپنی دھن میں افتاں وخیزاں پہنچا اور مواجہ شریف میں آستانہ معلی کی جالی مبارک پکڑ کر کھڑا ہوگیا۔ اللہ اکبر، وہ تنہائی شب کی خموشی، پیشی میں صرف دو شمعیں روشن اور بارگاہِ اقدس کی حضوری ؎

یارب کجاست محرم رازے کہ یک زماں   دل شرح آں دہد کہ چہ دید وچہا شنید

اتنے چاروں رفیق جمع ہوگئے اپنا اپنا ربط اپنا اپنا حال ؎

ہم ہی ہم ہیں تری محفل کوئی اور نہیں

گھنٹے منٹوں کی طرح گزر گئے وہی تین بجے حرم شریف کے دروازے کھلے اور تخلیہ برخاست ہوا اپنے حق میں یہ شب لیلۃ القدر معلوم ہوتی تھی الحمد للہ حمداً کثیراً وصلی اللہ علی رسول اللہ وبارک وسلم [2]

[1] صراط الحمید ج ۱ ص ۱۸۰۔ [2] ایضاً ص ۱۸۱-۱۸۲۔

خصوصی صلوٰۃ وسلام کا القاء برنی صاحب فرماتے ہیں:

"مواجہ شریف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے دعائیں خدا جانے کتنی مانگیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں لیکن ایک دعا دل ہی مانگی کہ ایک ایسی درود ذہن میں آجائے جس میں حضورؐ کی وہ شان مذکور ہو جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مسلم ہے، وہ درود ذہنی ہو، کسی سے اب تک منقول نہ ہو، وہی پڑھا کروں اور اس کو حضور کا فیض سمجھوں، اللہ تعالیٰ کی شان مجھ جیسے کم علم کے ذہن میں بلا تفکر ایک قرآنی درود شریف معاً اتر آئی اور ہمیشہ وہی ورد رہی وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ۔ باتباع امر اس کو یہاں ظاہر کرتا ہوں، وہ یہ ہے:

اللّٰھم صل وسلم علی سیدنا محمد طٰہٰ ویٰسین ختم ختم، خاتم النبیین رحمۃ للعالمین بالمومنین رؤف رحیم وانک لعلیٰ خلق عظیم وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

اس ورد سے عجیب برکات محسوس ہوتے ہیں امید ہے اس سے مومنین کو فیض پہنچے گا اور خیر جاریہ کے ثواب میں اللہ تعالیٰ ہم کو بھی شریک رکھے گا۔" [1]

مدینہ سے روانگی برنی صاحب کے دو ہفتہ یہاں بہت راحت سے گزرے لیکن جب رخصت کا خیال آنے لگا تو چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے اس میں ہفتہ عشرہ اور گزر گیا۔ ۲۲ ذیقعدہ کو روانگی پختہ ہوئی اور احرام باندھ کر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو کیفیت یکسر بدل گئی، رخصت کے وقت دل خوشی سے بھر گیا۔ معلم الوداع یا رسول اللہ پڑھواتے اور برنی صاحب فرماتے ہیں ہماری زبان سے

[1] صراط الحمید ج ۱ ص ۱۸۲-۱۸۳۔

الوداع یا رسول اللہ، نکلتا تھا[1]

جدائی کا احساس دل سے غائب تھا، مدینہ سے مکہ معظمہ کیا جا رہے ہیں، گویا محمد رسول اللہ کے وسیلہ سے لاالٰہ الا اللہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اب تک یہ دعا تھی خدایا از تو می خواہم مصطفےٰ را۔ اب یہ ورد شروع ہوا۔ محمد از تو می خواہم خدا را۔

سبحان اللہ والحمد للہ ولاالٰہ الا اللہ واللہ اکبر[2]

اولاد برنی صاحب کی تین لڑکیاں تھیں ان میں سے (۱) رشیدہ کی شادی اپنے مرشد حضرت مولانا محمد حسین کے فرزند مسعود حسن سے اور (۲) فاطمہ کی مولانا عبدالقدیر صدیقی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ کے فرزند موسیٰ عبدالرحمٰن سے اور (۳) کنیز فاطمہ کی عبدالقدیر صدیقی کے چچا زاد بھائی نواب صدیق یار جنگ کے فرزند امجد اللہ صدیقی سے کی تھی۔ برنی صاحب فرماتے ہیں:

"یہ تینوں صاحب اولاد ہیں، صاحب روزگار ہیں، اللہ تعالیٰ شاد و آباد رکھے۔"[3]

برنی صاحب کے والد ماجد برنی صاحب کے والد ماجد حافظ محمد ابراہیم تندرست اور صحت مند تھے، ورزش کرتے تھے، آخر عمر تک نشست و برخاست میں کوئی معذوری نہ تھی، ساٹھ سال کی عمر میں آنکھ میں پانی اتر آیا تھا، علی گڑھ میں آنکھ بنوائی، اچھی بنی لیکن پھر پانی اتر آیا۔ وفات سے دو سال پہلے دہلی میں آنکھ بنوائی بالکل اچھی بنی اپنی ضرورت کے سب کام کرتے تھے، دانت آخر عمر تک مضبوط تھے، صرف آگے کا ایک دانت گرا تھا۔ حافظ تھے بہت پرہیزگار، تہجد گزار، اذکار و اوراد کے پابند رہنے والے تھے۔

[1] صراط الحمید ج ۱ ص ۱۸۱-۱۸۲ [2] ایضاً ص ۱۹۲-۱۹۳ [3] برنی نامہ ص ۱۴۔

لڑکپن میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی (۱۲۳۵-۱۲۹۲) سے بیعت ہو گئے تھے، ڈھلتی رات اٹھنا اور نماز کے بعد صبح تک یاد اللہ میں مصروف رہنا معمول تھا عمر بھر میں انتقال سے پہلے رمضان کے دو روزے چھوٹے تھے۔ تاریخ اسلام، فقہ، تصوف، طب سے خاصی دلچسپی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سلیس اردو میں لکھی تھی۔ شاہ ولی اللہ کی ہوامع اور محمد حقی نازلی کی "خزینۃ الاسرار" کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ سب مسودات کی صورت میں محفوظ تھا۔ فن بیطاری پر ایک رسالہ لکھا تھا، طبی مجربات بھی مرتب کئے تھے[1] حیدرآباد میں بحیثیت وکیل چالیس برس بسر کئے جو لوگ واقف حال تھے کہتے تھے کہ وکالت میں ولایت کر دکھائی تھی[2] ان کے مکتوبات شائع کئے جائیں تو بہت سے جوہر کھلیں۔

برنی صاحب کا بیان ہے انتقال سے تین سال قبل حسب معمول میں موسم سرما کی تعطیلات میں حاضر خدمت تھا۔ پوچھا تمہیں کوئی استخارہ بھی معلوم ہے میں نے عرض کیا حضرت کوئی استخارے معلوم ہیں تعمیل ارشاد میں ایک استخارہ عرض کرتا ہوں، مختصر مقبول ہے تیسرے دن حسب معمول فجر کی نماز کے بعد سلام عرض کرنے گیا تو دیکھا کہ لحاف اوڑھے لیٹے ہیں۔ قریب بیٹھا تو محسوس ہوا کہ رقت طاری ہے حیرت ہوئی، خاموش بیٹھا رہا، حضرت کو افاقہ ہوا تو فرمایا کہ واقعی تمہارا استخارہ بہت مقبول ہے، میں ادب سے خاموش رہا، خود دل میں لڑکپن میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کا مرید ہو گیا تھا، اس کے بعد بڑے بڑوں کی صحبت و شفقت رہی لیکن کسی سے بیعت کی نوبت نہیں آئی، اب آخر عمر میں یہ خیال ہوتا تھا کہ وہ کم عمری

[1] صراط الحمید ج ۲ ص ۲۳-۲۴ [2] ایضاً ص ۲۵۔

کی بیعت مسلم رہی یا پھر تجدید کی ضرورت ہے، تہجد میں غنودگی ہوئی تو خواجہ باقی باللہ کو متوجہ پایا، انہوں نے فرمایا تمہاری قدیم بیعت مسلم و مقبول ہے اور کل پیران سلسلہ تم پر مہربان ہیں۔[1]

وصیت نامہ ۲۳ نومبر ۱۹۳۱ء میں خط بھیجا ناسازی طبع سے آگاہ کیا اور لکھا تینوں بھائیوں میں سے جو بھی بآسانی آسکے ایک ماہ کے لئے آجائے تاکہ ضروری کام نمٹائے جائیں، عجلت کی ضرورت نہیں۔ برنی موسم سرما کی چھٹی میں آجائے تو اچھا ہے ۱۴ دسمبر سے سرما کی چھٹی شروع ہوئی میں روانہ ہوا، جب میں بلند شہر پہنچا، اول اول ملا تو طبیعت ٹھیک تھی، فرمایا تمہاری آمد کی خوشی میں سنبھل گئی، وصیت نامہ تیار تھا، ۱۷ دسمبر سہ پہر سے ملکیت و جائیداد کے کاغذات و حسابات دیکھنے اور سمجھنے شروع کر دئے اور اگلے دن کو صبح سے شام تک یہی کام کیا، تیسرے دن ۱۹ دسمبر دوپہر تک اس کام سے فارغ ہوا، عدالت کے کارندے منشی اوصاف علی صاحب اس کام میں شریک رہے منشی جی لکھیں اگر کوئی پیچیدگی پیش آتی، حضرت اسے سلجھا دیتے تھے، اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ وصیت نامہ بعد نظر ثانی مکمل ہو گیا، اس میں سب وارثوں کے نام ملکیت و جائیداد کی تقسیم درج ہوئی اور خاندانی امور کے متعلق ضروری ہدایات بھی۔ اس وصیت نامہ کے بعد خاندان میں کوئی اختلاف نمودار نہ ہو سکا اور اتفاق رہا۔[2]

حج بدل کی وصیت و تاکید ۱۸ دسمبر کو جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ اطمینان سے بیٹھے تو والد صاحب نے خود ہی حرمین شریفین کا ذکر چھیڑا، مجھ سے حالات سننا شروع کئے، جب مدینہ کا ذکر چلا تو طبیعت مچل گئی۔ رقت شروع ہو گئی، گھر کی بہو بیٹیاں آبیٹھیں

۱؎ صراط الحمید ج ۲ ص ۲۵-۲۶ ۲؎ ایضاً ص ۱۷۔

دلوں کا جوش آنکھوں سے جاری ہو گیا، یقین ہو رہا تھا کہ غلام اپنے آقا کی توجہ سے سرفراز ہوئے ہیں ؎

اثر اتنا تو ہو جذب دل ناشاد کبھی — مجھ کو بھولے سے مدینے میں کریں یاد کبھی
ہجر کی میری زبانی سنیں روداد کبھی — ہند میں کرنا مری خاک نہ برباد کبھی

حضرت نے اسی حالت میں فرمایا کہ دلوں کے حال سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے، مجھے عمر بھر حج و زیارت کی تمنا رہی اور دو ایک مرتبہ تو تہیۂ سفر بھی ہو گیا، لیکن نہ معلوم کیا مصلحت الٰہی تھی کہ تمنا پوری نہ ہو سکی اور دل کی دل ہی میں رہ گئی، تم حج سے آئے میری ہمت بڑھ گئی کہ تم کو ساتھ لے کر جاؤں گا، آرام رہے گا۔

لیکن جسم میں طاقت تھی تو نگاہ بے کار تھی اب نگاہ درست ہوئی تو طاقت نے جواب دے دیا، میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ حتی الامکان خود ہی جا کر میرا حج بدل ادا کرنا اور مدینہ حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کرنا۔ حرم نبوی کے خدام اور مدینہ کے حاجت مند باشندگان کی خدمت میں ایک ہزار روپیہ پیش کرنا۔ اس کے لئے میں اپنے اندوختہ سے دو ہزار روپے کی وصیت کرتا ہوں [illegible] کی رات گزری تیسرے رمضان کو صبح کے وقت وفات پائی [illegible] اٹھانوے سال اور گیارہ یوم کی عمر پائی تھی۔[1]

حج بدل کے لئے روانگی اور حضرت گیسو دراز کے مزار پر حاضری تاریخ ۹ مارچ ۱۹۳۳ء یوم پنجشنبہ شام کو پانچ بجے حیدرآباد سے رات بارہ بجے گلبرگہ پہنچے اور حضرت خواجہ سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز کے آستانہ معلی پر فاتحہ پڑھی پھر رخصت ہوئے۔

۱؎ صراط الحمید ج ۲ ص ۱۸۔

برنی صاحب فرماتے ہیں:

"اول تو حضرت ماشاء اللہ سواداں دکن ٹھہرے، دوسرے خدا کے فضل سے اپنا چشتیہ سلسلہ راست حضرت ہی کا سلسلہ ہے، اس نسبت سے محمدی کہلاتے ہیں یہاں ہمارے سوا راست محمدی سلسلہ کم نظر آتا ہے"۔[1]

بمبئی سے جہاز میں سوار ہوئے تو پلین نمبر پانچ میں جگہ ملی، ان کی برتھ کے مقابل برتھ پر ایک قدیم دوست کا بستر جما، بیس برس کے بعد بغیر توقع جو یکایک ملاقات ہوئی تو ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ گئے، چند سیکنڈ پہچاننے میں لگے، اس کے بعد جو گلے لگے تو کئی منٹ بغل گیر رہے ع

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا   بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

ہم نے ایک ہی سال میٹرک کا امتحان درجہ اول میں پاس کیا، ایک ہی سال علی گڑھ میں داخل ہوئے، دونوں ہونہار سمجھے جاتے تھے، فرق یہ ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے ان کو بہلا پھسلا کر ریاضی و سائنس میں کھینچا، ہم فنون میں جمے رہے، انہوں نے بی ایس سی کیا، ہم نے اکنامکس میں ایم اے کیا، ایل ایل بی کی سند دونوں نے حاصل کی، ان کا وطن مظفر نگر، ہمارا بلند شہر، کالج میں یہ کچی بارک میں، ہم پکی بارک میں رہتے تھے، یہ نماز کے مانیٹر اور ہم طعام کے مانیٹر تھے، سوٹ بوٹ سے دونوں الگ تھے۔ کالج کی رعایت سے یہ داڑھی کی تواضع کرتے تھے، ہم اس سے بھی بے فکر تھے، اب ان کی ایک مشت میں دو انگشت کی کسر ہے اور اپنی رہی خشخشی، اب یہ خاصے مولوی نظر آتے ہیں، بفضلہ عنقریب حاجی بھی ہو جائیں گے، یہ نماز کے شروع ہی سے پابند

۱؎ صراط الحمید ج ۲ ص ۱۴۱۔

تھے، اب ماشاء اللہ ذکر اذکار ہیں، اشغال بھی مراقبے بھی ہیں اور کیوں نہ ہوں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مرید ہیں۔

ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب کہ حضرت الحاج مولانا منفعت علی صاحب انگریزی تعلیم یافتہ جماعت میں بڑے بزرگ شمار ہوں گے۔ اپنا تو وہی حال ہے ع

گزری جہاں کے باغ میں یکساں برنگ سرو   سوکھے کبھی خزاں میں نہ پھولے بہار میں

وہی طرز، وہی روش، وہی وضع قطع، ہم نے ایل ایل بی کرتے وقت سوچ لیا تھا کہ "داشتہ آید بکار"، البتہ منفعت علی نے اس سند سے خوب کام لیا، سہارنپور میں چوٹی کے وکیل ہیں، ہم تعلیم و تصنیف میں مصروف ہیں[1]

مقامات زیارت | برنی صاحب فرصت کے اوقات میں آثار قدیمہ کی زیارت کے لئے بھی جاتے تھے، جو سعودی حکومت نے اب ڈھا دئے تھے۔ جیسے مولد النبیؐ، مولد فاطمہؓ، مولد علیؓ۔ چنانچہ برنی صاحب فرماتے ہیں:

"یہ تینوں مقام اب ویران چٹیل میدان پڑے ہیں، لوگ پتہ بتاتے ڈرتے ہیں کوئی نہ بتائے تو گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہاں دنیا کی بہترین مرصع اور متبرک عمارت کھڑی تھیں، ظاہر و باطن کی نعمتوں سے مالا مال تھیں، ان کی زیارت سے آنکھوں میں نور، دل میں سرور آتا تھا، اب وہ سب خواب و خیال ہو گیا، البتہ جو حقیقی برکات ہیں وہ حق داروں کے واسطے دائم قائم ہیں"۔[2]

غسل کعبہ کا معطر زمزم کا گلاس | برنی صاحب معلم کے چھوٹے بھائی حسین صاحب کے ساتھ ۴ ذی الحجہ یوم پنجشنبہ صبح کے وقت شیبی صاحب سے ملاقات کی غرض سے نکلے،

۱؎ صراط الحمید ج ۲ ص ۵۹ ۲؎ ایضاً ص ۸۷

دوسرا شیبی صاحب کو نذرانہ پیش کرنے پر خصوصی اجازت سے داخلہ ملتا تھا۔ اس میں یکسوئی ہوتی تھی۔ برنی صاحب نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا، ان کا بیان ہے:

"ہم نے بھی نذر پیش کی صرف چند حجاج کا داخلہ ہوا اور تقریباً ایک گھنٹہ اندر حاضر رہی، جو پڑھنا تھا پڑھا، جو کہنا تھا کہا، جو دیکھنا تھا دیکھا، اللہ اکبر! اس عالم شہادت میں اس سے بڑھ کر کیا رسائی ہوگی، بیت اللہ شریف کے اندر حاضر ہیں، عالم باطن خدا پر روشن ہے کیا خوب ہو کہ ہم بیت اللہ میں داخل ہوں، اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں داخل ہو، ہمارا دل پھر بیت اللہ بن جائے ظاہر کے بیت اللہ میں باطن کا بیت اللہ آجائے، ایک حرم میں دوسرا حرم سما جائے۔

کچھ عجب لطف ہو جائے ع

اور درمن و من درو ے چوں بگلاب اندر

جن کے دل بیت اللہ تھے، ان ہی کے ہاتھوں نے اس بیت اللہ کی بنا ڈالی اور انہی کی دعاؤں سے یہ بیت اللہ آباد ہے، سبحان اللہ و بحمدہٖ"[1]

مکہ معظمہ کے دو تبرک

برنی صاحب کو قدیم آثار اور مقدس مقامات کی تصویروں کی جستجو تھی، مختلف دکانوں میں دیکھا، لیکن ذخیرہ مختصر تھا کوشش سے ایک غیر معروف قدیم ترکی کمپنی کے فوٹوگرافر کی دکان پر کافی تعداد میں ذخیرہ ملا، ان میں بعض نادر تصویریں مل گئیں، اس طرح بہت مسلسل اور مکمل البم مرتب ہوگیا۔ دوستوں کے واسطے متفرق فوٹو بچ رہے۔[2]

مکہ معظمہ کے تبرکات! دو تبرک اہم ہیں، ایک زمزم اور دوسرے غلاف کعبہ،

۱؎ صراط الحمید ج ۲ ص ۸۷ ۲؎ ایضاً ص ۸۹۔

جاتے وقت حرم شریف سے گزرے تو حسین نے کہا آج بیت اللہ شریف کو غسل دیا گیا ہے۔ ان کا مکان اس کی خوشبو سے معطر تھا۔ جب برنی صاحب پہنچے تو شیبی جلالۃ الملک سے ملنے گئے تھے، ذرا سی دیر بیٹھے تو حسین نے شیبی کے صاحبزادے سے پانی مانگا اس نے ٹھنڈا زمزم پیش کیا، برنی صاحب فرماتے ہیں:

"مجھ سے دریافت کیا گیا میں کیوں انکار کرتا، لیکن زہے قسمت ہم کو بلا طلب اور بلا توقع غسل کا معطر زمزم ایک بڑا گلاس بھر کر عطا ہوا، عطیہ الٰہی تھا، فوراً ادب سے پی لیا۔ خوشبو سے دماغ بس گیا، خوشی سے دل بھر گیا۔ سچ پوچھئے تو روح مست ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

حسین نے مبارک باد دی کہ ایسا تبرک بن مانگے قسمت والوں کو ملتا ہے، تیری نیک فالی ہے، شیبی صاحب کا تھوڑا انتظار کیا، اس کے بعد رخصت ہوئے اور جہاں کہیں جانا تھا گئے، سب نے سن کر مبارک باد دی اور بتایا کہ احرام میں معطر زمزم پی لیا تو دم واجب ہے، ہم نے عرض کیا ہیں تو وہم و گمان بھی نہ تھا لیکن ع

گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجئے

دو دم بسر و چشم حاضر ہیں، سچ پوچھئے تو ایسا تبرک سو دم میں بھی سستا ہے"[1]

بیت اللہ میں ایک گھنٹہ

۵ ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد ہر شخص کو بیت اللہ میں داخلہ کی عام اجازت دی جاتی تھی، اس میں برنی صاحب بھی اندر گئے تھے، اس میں بھیڑ بہت ہوتی تھی اس لئے زیادہ دلجمعی سے قیام اور دعا کرنے کا موقع کم ملتا تھا۔

۱؎ صراط الحمید ج ۲ ص ۸۵ و ۸۶

زمزم ہر وقت ملتا ہے، غلاف کعبہ عشرہ ذی الحجہ کو نیا غلاف چڑھتا اور پرانا اتر کر تبرک بن جاتا ہے، بکتا تھا، امسال یہ ارزاں تھا، پورا کلمہ شریف چار پانچ روپیہ میں ملتا تھا، ہم نے دس بارہ خریدے، ان میں ایک بہت عمدہ تھا، بالکل نیا معلوم ہوتا تھا، ایک دکان سے اکٹھے خریدے، رعایت بھی رہی۔[1]

قصر شاہی میں دعوت برنی صاحب آثار قدیمہ کی تصویروں کی جستجو میں ایک دکان میں تھے کہ دو سرکارے ان کے نام لفافہ لائے اور بولے کہ ہم آپ کو تلاش کر رہے ہیں، یہ دعوت نامہ لیجیے اور قصر شاہی میں آج شام تشریف لایئے، ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب آپ کے انتظار میں ہیں، شرکت کا ارادہ نہ تھا، لیکن ڈاکٹر خواجہ کو انتظار تھا، ان کے پاس پہنچے تو کہا، دونوں ساتھ چلیں گے ان کے اصرار پر قصر شاہی پہنچے، اسلامی ملک کے معزز مہمان بیٹھے تھے۔ مجمع دیکھ کر جی خوش ہوا۔ جلالۃ الملک تشریف لائے۔ مغربیوں کا لباس بہت خوب تھا، بعض احرام میں تھے قیمتی تولئے زیب تن کئے تھے، بس ہماری حالت قابل دید تھی، معمولی چادروں کا احرام اور وہ میلا سلا، بال پراگندہ گرد آلود، جیسے کوئی دیوانہ، حج کا رنگ خوب چڑھا ہوا، امیروں میں ایک فقیر بھی موجود تھا۔[2]

جلالۃ الملک کے آنے پر قصیدہ خوانی ہوئی، توحید پر تقریریں سن کر تحریک ہوئی کہ ہم بھی تقریر کرتے لیکن عربی پر ایسی قدرت نہ تھی کہ آخر میں جلالۃ الملک نے کہا کہ اگر کوئی حاجی اپنی زبان میں تقریر کرنا چاہے تو اس کا عربی میں ترجمہ کیا جائے گا، میں کھڑا ہوا میں نے کہا توحید کا دہرانا چنداں کارگر نہیں، رسالت کے اعلان اور وضاحت کی ضرورت

۱؎ صراط الحمید ج ۲ ص ۹۰ ۲؎ ایضاً ص ۹۱۔

ہے اس کے بعد اس ایمانی توحید کا دہرانا ہے جو رسالت کے طفیل حاصل ہوتی ہے اور جو اسلام کے باہر میسر نہیں آسکتی وہی مطلوب ہے، رسالت میں ہر کوئی سنت پر زور دیتا ہے اور زور دینا بجا ہے اس لئے کہ قرآن میں اتباع کی تاکید ہے، لیکن بہت سے اس راز سے بے خبر ہیں کہ محبت اور تعظیم اتباع کی جان ہیں انہی دونوں کے صحیح امتزاج سے حقیقی اتباع پیدا ہوتی ہے، محبت میں قوت ہے اور تعظیم میں اعتدال جس اتباع کی بنیاد محبت اور تعظیم پر نہ ہو وہ محض ایک رسمی تقلید ہے۔ اتباع نہیں ہے اور نہ اتباع کی خیر و برکت ہے، اتباع کے واسطے محبت و تعظیم کس درجہ لازم ہے، اہل علم اس کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں توحید کے پہلو بہ پہلو حضور رحمۃ للعالمین کی محبت و تعظیم کی جو تعلیم ہے وہ دنیا میں بے نظیر ہے کہ عبدیت میں انتہائی محبوبیت و رفعت موجود ہے۔[1]

اس شاہی دعوت میں مغرب کے پیر طریقت سید عبدالحئی کنانی اور ملا شوید بازار بھی شریک تھے، کنانی اپنے اثر و اقتدار میں حضرت شیخ سنوسیؒ کے ہم پلہ جانے جاتے تھے۔[2]

دوسرے دن ایک عرب نے موصوف کا تعارفی کارڈ دیا کہ حضرت کو ملاقات کا اشتیاق ہے، چنانچہ بعد مغرب حرم میں شیخ سے نیاز حاصل ہوا، گلے لگایا، بہت دعائیں دیں، اور گرد عربوں کا مجمع تھا، حضرت کے ساتھ ترجمان بھی تھا، میرے ساتھ عبدالرحمن تھے۔ فرمایا تمہاری تقریر موثر اور بہت مقبول تھی، اسلامی جذبات کے اظہار میں تم نے تمام اسلامی ممالک کی طرف سے وکالت و نیابت کی، یہ اللہ کا

۱؎ صراط الحمید ج ۲ ص ۹۵ ۲؎ ایضاً ص ۹۸۔

بڑا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے، میں نے عرض کیا حضرت تقریر اردو میں تھی اس کا عربی میں ترجمہ بھی نہیں ہوا، پھر عربوں پر اس کا اثر کس طرح ہوا۔ فرمایا ایمان و اخلاص میں بھی اثر ہے، تمہاری آواز لب ولہجہ سے حقانیت ٹپکتی تھی، دل لذت اندوز ہوئے تھے اور تم نے درمیان درمیان میں جو آیات پڑھیں، ان آیات نے عربوں پر مقصد خوب واضح کردیا، جلسہ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مست ہوگیا، یہ بیان اختیاری نہیں، فضل الٰہی ہے[1]

برنی صاحب کا مسلک و مشرب | برنی صاحب علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے، وہ باقاعدہ عالم نہ تھے، نہ دیوبندی علماء سے پڑھا تھا، نہ بریلوی علماء کے مدرسہ کے فاضل تھے، مگر ان کا گھرانہ دین دار تھا، اس میں میلاد ہوتا تھا، جو اس زمانہ میں صوفیانہ مشرب بزرگوں میں رائج تھا۔ ان کی والدہ نذر و نیاز (بزرگوں کی روحوں کو ایصال ثواب کے لئے خیرات) بہت احتیاط و اہتمام سے کرتی تھیں[2]

برنی صاحب صوفی مشرب تھے اور صوفیہ سے ان کا تعلق ہر زمانہ میں برابر قائم رہا ہے اس لئے وہ برزنجی اور قصیدہ بردہ پڑھتے تھے۔ سیرت اور میلاد النبیؐ کے جلسوں میں جاتے، بہت عمدہ اردو و اور تقریر کرتے تھے، اس میں دانشور، محققین، تعلیم یافتہ اور اہل علم بکثرت آتے تھے، نیز حیدرآباد کے فرمانروا عثمان علی خاں بھی شرکت کرتے تھے "قادیانی مذہب" اسی جلسہ کا مظہر اور ثمرہ ہے۔

بایں ہمہ وہ ایک منصف مزاج شخص تھے، اس لئے علمائے دیوبند سے ان کو کد اور نفرت نہ تھی، بلکہ ان کی کتابیں پڑھتے، ان سے استفادہ کرتے اور ان کی خوبیوں کا

[1] صراط الحمید ج ۲ ص ۹۸-۹۹ [2] ایضاً ج ۱ ص ۳۱۹۔

اعتراف کرتے، انہیں حضرت گنگوہیؒ کو "رحمۃ اللہ علیہ" لکھنے میں تکلف نہ ہوتا چنانچہ حج بدل کی بحث میں لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا عبدالرشید[1] (رشید احمد) گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس (حج بدل کے) مسئلہ کو اپنی تالیف "زبدۃ المناسک" میں بہت وضاحت اور تاکید سے بیان فرمایا ہے، یہ تالیف دیکھنے کو تو مختصر سی ہے لیکن غور و فکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ واقعی دریا کو کوزہ میں بند کردیا ہے، اس سے مولانا کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے"[2]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"زبدۃ المناسک دیکھنے میں گو ایک چھوٹی سی اردو کتاب ہے، حضرت مولانا حاجی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مسائل حج اس خوبی سے یکجا کردئے کہ دریا کوزہ میں بند نظر آتا ہے، غور کیجئے تو اجمال میں تفصیل موجود ہے۔

اس سے حضرت کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے، ایک علمی کرامت نظر آتی ہے۔ حجاج کے لئے یہ کتاب بڑی نعمت ہے، مولوی یحییٰ صاحب تاجر کتب گنگوہ شریف سہارنپور نے اس کو شائع کیا ہے"[3]

وہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے والد مولانا ذوالفقار علی دیوبندی کی کتاب قصیدہ بردہ کی شرح عطرالوردہ کا یوں ذکر کرتے ہیں:

"قصیدہ بردہ کی اردو میں کئی شرحیں موجود ہیں، ایک شرح عطرالوردہ کے نام سے، مطبع مجتبائی دہلی نے شائع کی ہے، خوب ہے"[4]

[1] مطبوعہ نسخہ میں عبدالرشید چھپا ہے، یہ موصوف کی لغزش قلم ہے [2] صراط الحمید ج ۲ ص ۹۵
[3] صراط الحمید ج ۱ ص ۳۱۲ [4] ایضاً ص ۱۸۳۔

حضرت مولانا شفیع الدین مہاجر مکی جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ و مجاز تھے اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ ان کے مرید و خلیفہ تھے، مناسک حج کے ماہر تھے، برنی صاحب نے مدینہ منورہ کی آمد و رفت کے متعلق احرام کے مسائل ان سے پوچھ کر زینت کتاب کئے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا شفیع الدین نگینہ والے مدت دراز سے بحیثیت مہاجر مکہ معظمہ میں مقیم ہیں، حضرت کے علم و فضل کا کیا کہنا سبحان اللہ! خاص کر مناسک حج پر ایسا عبور بہت نادر ہے، اسی لئے حضرت سند مانے جاتے ہیں، دوسرے حج میں تحقیق مناسک (میں) حضرت سے نیاز حاصل ہوا، اس ناچیز کے حال پر بہت عنایت و شفقت مبذول رہی، چنانچہ مدینہ منورہ کی آمد و رفت کے متعلق احرام کے مندرجہ بالا مسائل حضرت کا عطیہ ہیں جو بطور خیر جاریہ درج کئے گئے ہیں"[1]

برنی صاحب نے علمائے دیوبند کی تعلیمی خدمات کا اعتراف مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:

"اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ علمائے دیوبند میں اشاعت تعلیم کا جو حوصلہ اور سلیقہ ہے، اس کی مثال ہندوستان کے دیگر علماء میں کم نظر آتی ہے، البتہ عقائد کی بحث جدا ہے، یہ ایک قدیم بحث ہے نئی نہیں"[2]

برنی صاحب کو مولانا مناظر احسن گیلانی (المتوفی ۱۹۵۶ء) سے جاننے والا کون ہوگا، دونوں جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر تھے، دوست تھے، ایک پیر کے مرید و خلیفہ تھے، وہ برنی صاحب کے متعلق اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

"پروفیسر الیاس برنی میرے ہم مشرب دوست ہیں"[3] (باقی)

---

[1] صراط الحمید ج ۱ ص ۲۵۳ [2] ایضاً ج ۲ ص ۱۳۸ [3] مکاتیب مناظر احسن گیلانی، مرتبہ مفتی اللہ رحمانی، مونگیر دارالاشاعت رحمانی۔ ۱۹۷۳ء۔ ج ۱ ص ۱۰۳۔

پروفیسر محمد الیاس برنی

از ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی*

(۳)

بعض فروگذاشتیں برنی صاحب اپنے زمانے کے عظیم شخص تھے، لیکن عظیم اشخاص بھی غلطیوں سے مبرا نہیں ہوتے۔ یہ لازمہ بشریت ہے۔ برنی صاحب سے بھی بعض غلطیاں ہوئی ہیں مثلاً "تحفۂ محمدی" میں درود تاج باترجمہ شامل ہے۔ اس میں بعض الفاظ قابل اعتراض ہیں اور وہ صحیح احادیث سے ثابت نہیں ہیں اور یہ درود شریف کی معتبر کتابوں میں منقول نہیں ہے۔ اس کے بجائے اگر وہ اپنا انتقائی درود اس میں شامل کرتے تو بہتر ہوتا۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ اگر معمول بہا عبادات کے اجر و ثواب سے زیادہ کسی عمل کا اجر و ثواب بتایا جائے تو یہ بات اس کے جعلی اور بناوٹی ہونے کی نشانی ہے۔

نذر و نیاز کے مسئلے میں ان کی یہ رائے درست ہے "یوں تو ایصال ثواب کے لیے کوئی دن و تاریخ اور کوئی طور طریقہ معین نہیں" تاہم ہر کام کا ایک موقع اور سلیقہ ہوتا ہے۔ اگر اس کو لازم نہ سمجھا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ باقی نہیں رہتا۔

* مشرف تخصص علوم حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن، کراچی۔

لیکن علاوہ سب کچھ کرتے تھے جو عام طور پر رائج ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"۱۲ر محرم کو ہلیم (حلیم) پر سیدالشہداء کی فاتحہ ہوئی غرض محرم شریف کی فاتحہ جو اپنا معمول ہے مدینہ منورہ میں بخیر و خوبی انجام پائی"[1]

ان کی مجموعی حسنات کے مقابلہ میں یہ فروگذاشتیں ایسی ہیں جن کا وزن زیادہ نہیں۔

ملازمت سے سبک دوشی برنی صاحب جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں مختلف عہدوں پر فائز رہے دائرۃ المعارف کے ناظم بھی رہے اور آخر کے دو برسوں میں جامعہ عثمانیہ میں رجسٹرار ہوئے[2] اور اکتوبر ۱۹۴۸ء میں جامعہ عثمانیہ سے سبک دوش ہوئے[3] جس کے بعد ان کی زندگی کا تیسرا دور پورا ہوا۔ برنی صاحب کی زندگی کا زیادہ تر زمانہ حیدرآباد میں گزرا، وہیں کوٹھی بنوائی، حیدرآباد میں لڑکیوں کی شادیاں کیں، کتابیں لکھیں اور ۱۹۱۷ء سے ۱۹۵۸ء تک تصنیف و تالیف کا کام انجام دیا۔

وفات اگست ۱۹۵۷ء میں اپنی کوٹھی بیت السلام سیف آباد میں جو ایک خوشنما پہاڑی پر واقع ہے برنی نامہ لکھا، پھر دسمبر ۱۹۵۸ء کے آخر میں عزیزوں سے ملنے بلند شہر آئے۔ تقریباً ۸۹ سال کے تھے کہ ۲۵ر جنوری ۱۹۵۹ء کو حرکت قلب بند ہوئی اور وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ قاضی کے قبرستان میں جہاں ان کے باپ دادا دفن ہیں، وہیں ان کی قبر ہے۔

تدفین کے وقت جب سینہ پر کافور ملا گیا تو وہ سمٹ کر لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کی صورت اختیار کر گیا تھا جسے دیکھ کر ناظرین حیران و ششدر رہ گئے۔ یہ ان بزرگوں میں سے تھے جن پر یہ فقرہ صادق آتا ہے:

[1] صراط الحمید ج ۲ ص ۱۵۰ و ۲۶-۲۷ [2] برنی نامہ ص۲ [3] ایضاً۔

دنیا خورد و عقبیٰ برد — دنیا میں مزے اڑائے اور آخرت میں بھی کامیاب رہے

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ — یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے

یہ واقعہ مجھ سے ڈاکٹر فاروق مصطفےٰ صاحب نے بیان کیا کہ یہ میرے والد صاحب کا چشم دید واقعہ ہے۔

تلامذہ برنی صاحب نے عمر بھر پڑھایا، ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن تعلقات کم ہی شاگردوں سے رہے، جو شاگرد ان سے رہنمائی حاصل کرتے رہے یا جن کی تعلیم و تربیت کی سرپرستی و نگرانی ان کے سپرد رہی ان سے تعلقات قائم رہے۔ چنانچہ شہزادہ نواب اعظم جاہ بہادر ولی عہد کے دونوں شہزادے مکرم جاہ اور مفخم جاہ شاگرد رہے اور یہ ان کی تعلیم و تربیت میں شریک رہے وہ جب ولایت سے آتے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ملاقات کرتے تھے۔[1]

تصنیف و تالیف اور ترجمے برنی صاحب ایک اچھے مصنف و مترجم بھی تھے، کتابوں کا نام مختصر تعارف کے ساتھ آگے آئے گا۔ وہ تصنیف و ترجمے میں تین باتوں کی خاص طور پر پابندی کرتے تھے جس کی بنا پر ان کی کتابیں بہت مقبول ہوئیں۔

۱۔ سلاست زبان ۲۔ صفائی بیان ۳۔ دلچسپی مضامین[2]

یہ چیزیں واقعی بڑی اہم ہیں لیکن ان کے لئے صحت و استناد کو نہیں قربان کیا جا سکتا۔

شعر و سخن شناسی برنی صاحب کا ایک خاص وصف شعر فہمی اور سخن شناسی بھی ہے اردو شاعری کے انتخابات ان کی وسعت نظر اور سخن شناسی کا ثبوت ہیں۔ وہ خود بھی موزوں طبع تھے۔ اس کا اور منتخبات کا ذکر آگے تصانیف میں آئے گا۔

---

[1] برنی نامہ ص ۲۵ [2] علم المعیشت ص ۷۶۸۔

تصانیف و تراجم ذیل میں برنی صاحب کی تصانیف اور ترجموں کے نام مع تعارف پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کی تصانیف کے ایک سلسلے کا نام سلسلہ دعوت صدق تھا۔

۱۔ اسرار حق : آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور ارشادات صوفیہ کا ایک جامع و مربوط انتخاب ہے جن کے مقابل یورپ کے جدید سائنس اور فلسفہ کی انتہائی تحقیقات کا لب لباب دیا گیا ہے۔ اس سے اسلام کی حقانیت خود بخود ظاہر و نمایاں ہو جاتی ہے، اس کا پہلا ایڈیشن محمد مقتدیٰ خاں شروانی نے مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ سے ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں چار سو صفحات میں شائع کیا تھا۔

۲۔ تسہیل الترتیل : اس میں قرأت کی ضرورت و اہمیت، اس کے اصول و طریق، اس کے نکات و اشارات خاص ترتیب سے نہایت سہل اور عام فہم پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں، جن سے پڑھنے میں غلطی کا احتمال باقی نہیں رہتا، اصول قرأت سے واقف ہونے کے بعد تلاوت میں کچھ اور ہی لطف آتا ہے اور رموز حق کا راز کھلتا ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۳۶۱ھ اور تیسرا ۱۳۶۲ھ میں شائع ہوا۔

۳۔ تحفۂ محمدی : یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے، ہر حصہ میں درود تاج با ترجمہ، ایک عربی سلام اور چالیس نعتیں شامل ہیں، گویا چار حصوں میں جملہ (۱۶۰) نعتیں درج ہیں، یہ نعتیں قدیم و جدید (۶۰) مشہور و مقبول شاعروں کے کلام سے انتخاب کی گئی ہیں۔ چوتھے حصے میں (۲۴) فارسی نعتیں بھی شامل ہیں۔ تاج کمپنی کراچی نے اس کو بذریعہ بلاک طبع کر کے دیدہ زیب شائع کیا ہے۔

۴۔ مشکوٰۃ الصلوات : صلوٰۃ و سلام، اسلامی معارف اور عربی ادب کا بہترین سرمایہ ہے گویا "رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ" کی الہامی تفسیر ہے۔ ان کے مطالعہ سے دل اثر

صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی عظمت و محبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ ان کے ورد سے نسبت محمدی کا فیضان ہوتا ہے اور دین کی نعمتوں کا دروازہ کھلتا ہے، غالباً اب تک صلوٰۃ وسلام کا کوئی ایسا مختصر وجامع ذخیرہ شائع نہیں ہوا، اس کا تیسرا ایڈیشن تاج کمپنی لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوا تھا جو اب نایاب ہے۔ مصنف کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کے دو سو نسخے مدینہ منورہ میں اور تین سو مکہ معظمہ میں تقسیم کیے تھے۔[1]

۵۔ **معروضہ** : یہ برنی صاحب کا شعری مجموعہ ہے، وہ الہ آباد یونیورسٹی میں امتحان لینے جاتے تو میر اکبر حسین صاحب الہ آبادی سے ملاقات کے لئے بھی جاتے، اپنا یہ مجموعہ کلام ان ہی کے اصرار سے شائع کیا تھا جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا تھا[2] اس میں حمد، نعت، منقبت و معرفت کی نظمیں سو سے زیادہ شامل ہیں۔ تاج کمپنی کراچی نے اس کا نفیس ایڈیشن آرٹ پیپر پر بذریعہ بلاک دیدہ زیب طبع کر کے مجلد شائع کیا ہے، جو کافی مقبول ہوا ہے۔ پھر ۸۴ مزید نظمیں ضمیمہ اول کے طور پر شامل ہیں۔

۶۔ **قادیانی مذہب** : بار اول ۱۹۵۲ء۔ بار دوم شمس الاسلام پریس حیدر آباد دکن ۱۳۵۲ھ میں صفحات ۲۴۴ پر شائع کی گئی تھی۔ اس میں قادیانیوں کے عقائد و اعمال کی تفصیل خود قادیانی کتابوں سے پیش کی گئی ہے۔ یہ کتاب قادیانی تحریک کی قاموس مانی جاتی ہے۔ چنانچہ پانچواں ایڈیشن (حجم بارہ سو صفحات تقطیع کلاں) مدت سے نایاب ہے چھٹا ایڈیشن اضافہ مضامین کے ساتھ شائع ہوا۔ محمد اشرف نے لاہور سے شائع کیا تھا۔

۷۔ **قادیانی قول و فعل** : حصہ اول پہلا ایڈیشن نایاب ہے اور حصہ دوم ۱۹۵۸ء

۱؎ صراط الحمید ج ۲ ص ۳۲؛ و ص ۱۰۳ ۲؎ برنی نامہ ص ۲۲۔

میں شائع کیا گیا تھا۔

۸۔ **صراط الحمید** : جلد اول، عراق، شام، فلسطین و حجاز کے مقدس مقامات کے گوناگوں چشم دید حالات، نہایت دلچسپ و مفید معلومات اور سیر و سفر کی اس میں تفصیلی داستان مذکور ہے، مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے مشاہدات، ایمانی احساسات بارگاہ اقدس کے انوار و برکات، فیوض و انعامات اور فریضہ حج کے احکام و مسائل طور و طریق اور ادعیہ و صلوٰت کا بیان ہے۔

اس سفرنامہ میں جابجا قرآنی معارف، ایمانی نکات، وہبی واردات، روابط قلبی کے نازک اشارات وغیرہ جن سے ایمان تازہ ہوتا ہے، دل کو عقیدت و محبت کا مزہ ملتا ہے عبارت کی لطافت اور معاصرین کے متعلق نادر معلومات اس پر مستزاد ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ سفرنامہ برنی صاحب کی دلچسپ آپ بیتی ہے اس کا احساس خود ان کو بھی تھا چنانچہ ج ۱ ص ۳۰۳ میں رقم طراز ہیں:

" بلا کم و کاست آپ بیتی لکھ دی اور آپ بیتی نہ لکھتا تو پھر کیا لکھتا، لکھنا لاحاصل تھا کچھ بھی نہ لکھتا، یہ توقع نہیں اور ممکن بھی نہیں کہ سب ناظرین ہم خیال ہوں ہم مذاق ہوں، ہم مشرب ہوں، ہم عقیدہ ہوں، تھوڑا بہت فرق رہنا ضرور ہے تاہم خدا کے فضل سے امید ہے کہ اپنی سرگزشت افراط و تفریط سے محفوظ ہے، رہی کوئی لغزش تو میں سراپا تقصیر ہوں، معصوم نہیں ہوں، انابت و مغفرت ہی کا اپنا سہارا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ "

صراط الحمید کا پہلا ایڈیشن ۱۳۴۶ھ میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۳۵۰ھ میں مطبع برقی اعظم جاہی حیدر آباد دکن سے شائع کیا گیا تھا۔

۹- صراط الحمید جلد دوم: برنی صاحب نے اس کا تعارف یوں کرایا ہے:

"۱۳۵۱ھ میں دوسری مرتبہ حج و زیارت کی سعادت حاصل ہوئی، حرمین شریفین میں حاضری نصیب ہوئی تو دوسرا سفرنامہ تحریر میں آیا جو صراط الحمید جلد دوم میں شائع ہوا۔

یہ سفرنامہ پہلے سفرنامے سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا ہے، عنوانات جدا، بیانات جدا۔ اس میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ کے احوال بالخصوص اور حجاز کے معاملات بالعموم تفصیل سے درج ہیں، ضمناً بہت سے واقعات بیان میں آگئے ہیں جو کافی دلچسپ ہیں، ان میں بعض خاص طور سے اہم ہیں اور نادر ہیں، غرض کہ صراط الحمید جلد دوم کا بھی خاص رنگ ہے۔ جلد اول کے بعد جلد دوم پڑھنے سے لطف دوبالا ہوجاتا ہے، جلد دوم میں حرمین شریفین کے فوٹو بھی شامل ہیں۔"

برنی صاحب نے یہ سفرنامہ دوران سفر قلم بند کیا تھا، فرماتے ہیں:

"ایک ماہ اور چند یوم جو مدینہ منورہ میں حاضری رہی تو فرصت کے اوقات میں سفرنامہ لکھتا رہا اور بیشتر حصہ وہیں تحریر میں آیا، صرف آخری فصل جس میں واپسی کا ذکر ہے البتہ باقی رہ گئی تھی کہ وطن پہنچ کر لکھوں گا۔ توقع تھی کہ واپسی کے بعد ہی یہ سفرنامہ جلد شائع ہوجائے گا، لیکن عجیب اتفاق کہ سات سال گزر گئے اور طباعت کی نوبت نہ آسکی، مسودہ یونہی پڑا رہا، بلکہ ایک مرتبہ تو شبہ ہوا کہ گم ہوگیا، بارے خدا تلاش کیا تو وقت پر مل گیا۔

وجہ تاخیر یہ کہ واپسی کے بعد ہی گوناگوں مصروفیتوں کا ہجوم ہوگیا، یہ کام، وہ کام، علمی بھی، انتظامی بھی، خانگی بھی، سرکاری بھی، پھر اسی زمانے میں قادیانیوں سے

معرکے ہوئے جن کی تفصیلات ہماری کتاب "قادیانی مذہب" اور "قادیانی قول و فعل" میں درج ہیں، اپنی تو اکثر یہی حالت رہی اور رہتی ہے، علمی منصوبوں میں کتنے کام ابھی شروع نہ ہوسکے، کتنے کام برسوں سے ادھورے پڑے ان میں جو بہت خاص ہیں ان کا اظہار و اعلان بھی قبل از وقت مناسب نہیں۔ تاہم جو کام تکمیل پاچکے خدا کا شکر ہے پچیس کتابیں جو شائع ہوچکی ہیں یہ اسی کا فضل ہے۔" (ج ۲- ص ۷۹۶)

آگے لکھتے ہیں:

"صراط الحمید جلد اول میں دل کھل کھیلا، جب مچلا بول اٹھا ؎

کہہ گزرتا ہوں پتے کی بےخودی کے جوش میں ۔۔۔ ہوش میں ہوتا نہیں ہوتا ہوں جب میں ہوش میں

پھر بھی ضبط کی تاکید رہی۔ احتیاط کا اہتمام رہا۔ جلد دوم میں بھی دل کو کہیں کہیں موقع ملا، تاہم دماغ کا دور دورہ رہا کہ توازن لازم ہے ؎

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل ۔۔۔ لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

مگر سچ پوچھئے تو دھن بڑی چیز ہے۔ زندگی کی جان ہے سب دھنوں میں وہی دھن ؎

محمد از تو می خواہم خدا را ۔۔۔ خدا از تو خواہم مصطفیٰ را

وہی توحید توحید ہے جو رسالت کے وسیلے سے نصیب ہو، رسول اللہ کو مانے تو اللہ کو جانے۔ اللہ تو سبحان اللہ۔ رسول اللہ ﷺ کی بھی کیا انوکھی شان ہے، صلوا علیہ وسلموا تسلیما ؎

ما بلبلیم نالاں گلزار ما محمد ۔۔۔ ما نرگسیم حیراں، دیدار ما محمد
قمری بسرو نازد بلبل بگل فریبد ۔۔۔ ما عاشقیم بے دل، دلدار ما محمد

از خویشتن ندانم جز این قدر کہ دانم
ما قطرہ ایم بحر زخار ما محمد[۱]
(صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ کتاب پہلی بار ۱۳۵۸ھ میں مطبع برقی اعظم جاہی حیدرآباد سے شائع کی گئی تھی۔

۱۰۔ برنی نامہ: صراط الحمید جلد اول میں چار درویش کی سرگزشت میں ۱۹۱۷ء سے ۱۹۴۰ء تک حیدرآباد میں ۲۳ سال میں جو حالات پیش آئے تھے ان کا بیان ہے اور برنی نامہ میں اس کے بعد سے ۱۹۵۷ء تک سترہ برس کے قابل ذکر حالات و معاملات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ برنی صاحب لکھتے ہیں:

"میری خوش نصیبی یہ کہ حیدرآباد پہنچا، یہاں کے بزرگوں کا کیا کہنا ماشاء اللہ حقائق و معارف کے چمن کھلے ہوئے ہیں البتہ ع ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است"

برنی صاحب کے اس زمانہ میں جن دانشور، اہل علم و اہل قلم، صوفیہ اور عہدہ داروں سے تعلقات رہے انہیں نام بنام بتایا ہے[۲] فرمانروائے دکن میر عثمان خاں سے موصوف کے دیرینہ مراسم تھے، کنگ کوٹھی میں آنا جانا ان کا معمول تھا[۳] اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

"۱۹۱۷ء سے ۱۹۵۷ء تک چالیس برس حیدرآباد میں گزارے، اس مدت میں تصنیف و تالیف اور ترجمہ کا سلسلہ بھی جاری تھا، چنانچہ چھوٹی بڑی اردو، فارسی، عربی اور انگریزی میں چالیس کے قریب کتابیں شائع ہو چکی تھیں اور کئی منصوبے تکمیل طلب باقی تھے"[۴]

۱۱۔ علم المعیشت: اردو میں اکنامکس کے موضوع پر سب سے پہلی نہایت مستند و جامع کتاب ہے، مشکل سے مشکل معاشی اصول و مسائل کو دلچسپ اور سلیس پیرایہ میں

---

[۱] صراط الحمید ج ۲ ص ۹ و ۱۰ [۲] برنی نامہ ص ۵ [۳] ایضاً ص ۲۳ [۴] ایضاً ص ۲۶۔

بیان کیا ہے، اس کے مطالعہ سے نئے نئے مضامین بخوبی ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور طلبہ و استاد سب اس کو شوق سے پڑھتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

برنی صاحب نے کتاب علم المعیشت مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کی فرمائش و ہمت افزائی پر لکھنی شروع کی تھی[۱] یہ وہ زمانہ تھا جب کہ موصوف کی ایم اے اور ایل ایل بی کی تعلیم جاری تھی[۲] اور وہ علی گڑھ کالج میں بی اے کے طلبہ کو معاشیات بھی پڑھاتے تھے اور ان کا کاروان عمر ابھی چھبیسویں منزل طے کر رہا تھا۔ یہ اردو میں سات سو صفحات سے زیادہ کی کتاب پہلی بار ۱۹۱۷ء میں انجمن ترقی اردو نے شائع کی تھی۔ برنی صاحب نے اس کی تمہید علی گڑھ کالج میں لکھی تھی۔

اس کتاب کے متعلق ایک بالغ نظر، ہوشمند و دانشور عالم مولانا عبید اللہ سندھی المتوفی ۱۹۴۴ء کی رائے یہ ہے:

"یورپ میں میری سیاحت کے لئے مولوی الیاس صاحب برنی کی "علم المعیشت" بھی ایک محسن کتاب ہے۔ اگر یہ کتاب مجھے نہ ملتی تو میں یورپی اقتصادی پروگرام کو سمجھنے کے قابل نہ ہوتا"[۳]

یہ اس صاحب علم شخص کی رائے ہے جس نے اس فن کی تحصیل کسی کالج یا یونیورسٹی میں نہیں کی تھی۔ صرف اس کتاب کے مطالعہ سے ایسی بصیرت حاصل کی تھی کہ پورے یورپ کی علم المعیشت کو بخوبی سمجھ گئے تھے۔ موصوف نے اسے اپنی محسن کتابوں میں شمار کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ المتوفی ۱۹۳۸ء جو خود بھی معاشیات کے بڑے عالم اور دنیا کے نامور دانشوروں میں سے ہیں وہ اس کتاب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

---

[۱] صراط الحمید ج ۱ ص ۳۴۹ [۲] ایضاً [۳] مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں۔ مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۵۔

"آپ کی کتاب "علم المعیشت" اردو زبان پر احسان عظیم ہے اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ اکنامکس پر اردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور ہر لحاظ سے مکمل"۔[1]

کتاب کے خاتمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے کتنا عشق تھا اور ان کا ایمان کس قدر راسخ تھا تحریر فرماتے ہیں:

"علم المعیشت" کا بیان ختم ہوتا ہے اب صرف آخری نکتہ جتانا باقی ہے اگر کل پہلوؤں پر غور کرکے بنی نوع انسان اپنی زندگی کے واسطے بہترین معاشی اصول دریافت کرنا چاہے تو اس کی ہدایت کے واسطے اللہ جل شانہ نے دریائے حکمت کو کوزہ میں بند کر دیا ہے، قرآن پاک میں معاشی زندگی کے متعلق بہت سی ہدایتیں موجود ہیں اور صدہا سال کا تجربہ بھی آج انہی ہدایات کا موید نظر آتا ہے۔ ہم صرف ایک آیت شریفہ پر اکتفا کرتے ہیں وھو ھذا۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا	اور کھاؤ اور پیو اور بے جا خرچ نہ
إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ۔	کرو، اس کو خوش نہیں آتے بے جا
(اعراف، ۷:۳۱)	خرچ کرنے والے۔

اس کتاب کے سرورق کی پیشانی پر یہ آیت شریفہ:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ	اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے
لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا (طٰہٰ، ۱۲۴)	تو اس کو ملنی ہے گذران تنگی کی۔

دوبارہ یہ کتاب باہتمام محمد مقتدیٰ شروانی مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ سے ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء میں شائع کی گئی تھی۔ تیسرا ایڈیشن ۸۰۰ صفحات پر مشتمل انجمن ترقی

[1] فہرست کتب [illegible] ص ۱۲ یہ فہرست صراط الحمید جلد دوم کے آخر میں شایع کی گئی ہے۔

اردو دہلی سے نکلا ہے۔

۱۲- اصول معاشیات: یہ کتاب نصابی ضرورت کے تحت مرتب کی گئی ہے اس لئے کسی قدر دقیق اور مشکل مباحث پر مشتمل ہے، دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے شائع کی تھی۔ صفحات ۶۰۰ ہیں، خوشنما جلد اور تقطیع کلاں ہے۔

۱۳- معیشت الہند: ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی اصلاح و ترقی کے لئے از حد ضروری ہے، کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

اردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی جامع و مستند کتاب دارالترجمہ جامعہ حیدرآباد سے شائع کی گئی تھی۔ ۸۵۰ صفحات، تقطیع کلاں اور جلد خوش نما ہے۔ ۱۳۴۴ھ میں دوسری بار شائع کی گئی تھی۔

۱۴- مقدمۃ المعاشیات: یہ مورلینڈ کی انگریزی کتاب "انٹروڈکشن ٹو اکنامکس" کا سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ ہے جس میں معاشیات کے ابتدائی اصول و مسائل بیان کئے گئے ہیں، تقطیع کلاں، ۳۰۰ صفحات ہیں، دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے شائع کی تھی۔

برنی صاحب کا ایک سلسلہ تصانیف منتخبات نظم اردو پر مشتمل ہے۔ اردو شاعری میں غزلیات کا وافر ذخیرہ ہونے کی بنا پر عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ساری کائنات محض حسن و عشق اور گل و بلبل کی داستان ہے، مگر تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو میں ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں لیکن وہ نظروں سے اوجھل تھیں۔ برنی صاحب کے اس انتخاب سے یہ حقیقت آشکارا ہوگی کہ اردو کا دامن اس سلسلہ میں کتنا وسیع ہے۔

یہ معارف ملت، جذبات فطرت اور مناظر قدرت کے نام سے قدیم و جدید اردو شعراء کی نظموں کا ایک مفید اور جامع انتخاب ہے جو بارہ حصوں پر مشتمل ہے، اس میں اردو کے تقریباً دو سو قدیم وجدید نامور شعراء کا بہترین کلام عجیب و غریب ترتیب کے ساتھ آگیا ہے۔ بڑے بڑے ادیب اور نقاد سخن نے اس کی داد دی ہے اور یہ سلسلہ بہت مقبول ہوا اس سے واقعتاً لائق مرتب کی اردو ادب پر وسیع نظر اور سخن فہمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ ۱۹۱۹ء سے بتدریج شائع ہوتا رہا اور ۱۹۲۴ء میں اس کی تکمیل ہوئی۔

۱۵ تا ۱۸: اس کا پہلا سیٹ معارف ملت چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

۱۹ تا ۲۲: دوسرا سیٹ جذبات فطرت کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس کی جلد اول اردو شاعری کے قافلہ سالار میر تقی میر و رفیع سودا کے کلام کا انتخاب ہے۔

جلد دوم۔ مرزا غالب، ذوق، ظفر، حسرت موہانی کے کلام کا انتخاب ہے۔

جلد سوم۔ تقریباً بیس قدیم و مستند اور باکمال شعراء کے کلام کا انتخاب ہے۔

جلد چہارم۔ تقریباً ساٹھ جدید مشہور و مقبول شعراء کے کلام کا دلکش انتخاب ہے۔

۲۳ تا ۲۶: تیسرا سیٹ۔ مناظر قدرت: جلد اول متعلق اوقات، صبح و شام، دن رات، دھوپ، چاندنی، موسم گرما، سرما، برسات اور بہار کے دلکش مناظر نظموں میں اس خوبی سے منعکس ہیں، ان کو دیکھ کر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے۔ یہ جلد قدرت کی دل فریبیوں کا بہترین مرقع ہے۔

جلد دوم (کائنات اور اس کی اشیا) اس میں آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، میدان، دریا، کھیت، باغات، شہر اور عمارات وغیرہ کی شعراء نے ایسی تصویر کھینچی ہے کہ نظمیں پڑھتے وقت گویا ہم آنکھوں سے ان کی سیر کر رہے ہیں۔

جلد سوم (نباتات وحیوانات) میں نباتات وحیوانات یعنی پھول پھل، کیڑے، پتنگے، تتلیاں، پرند وچرند وغیرہ کے متعلق نظمیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے شاعروں نے اشیائے قدرت کا کس حد تک مطالعہ کیا ہے اور مشاہدات میں کہاں تک جان ڈالی ہے۔

جلد چہارم (عمرانیات) اس میں ہندوستان کے تمدن، رسم و رواج، عید تہوار، شادی، میلے، ٹھیلے، کھیل تماشے، بزم و رزم کے حالات دل کو بے چین کر دیتے ہیں، شعر و سخن کا یہ عجیب دل کش انتخاب ہے۔ ان تینوں سیٹ کی پہلی بار ۱۹۱۹ء میں اشاعت ہوئی۔ تیسری بار محمد مقتدیٰ خاں شیروانی کے زیر اہتمام ۱۹۲۴ء میں علی گڑھ سے شائع کیے گئے تھے۔

عطیہ قادریہ: یہ تحفہ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ میں یازدہم شریف میں بلا قیمت تقسیم ہوا۔

برنی کی تصانیف وتراجم کی تعداد

الیاس برنی صاحب نے اپنی تصانیف وتراجم کی تعداد "۴۰" بیان کی ہے اور مولانا منت اللہ صاحب نے برنی صاحب کی تصانیف کی تعداد "۴۹" بتائی ہے۔[1]

برنی صاحب کی حیات میں ان کی کتابوں کے ناشر، ادارے، مکتبے اور مطابع مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد حیدرآباد دکن۔

۲۔ دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد۔

۳۔ مکتبہ ابراہیمیہ (عابد شاپ) "

---

[1] مکاتیب گیلانی ج ۱ ص ۱۰۰

۴۔ اختر۔ دکن پریس، افضل گنج، حیدرآباد

۵۔ محمد الیاس۔ جام باغ ترپ بازار " (حیدرآباد میں قیام کے ابتدائی زمانے میں)، پھر بیت السلام دیسف آباد۔ "

۶۔ محمد مقتدی خاں شروانی۔ منیجر مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ۔

۷۔ مکتبہ جامعہ ملیہ۔ دہلی۔

۸۔ تاج کمپنی لاہور۔ کراچی۔

۹۔ محمد اشرف لاہور۔

برنی صاحب کی فارمیسی اکسیر انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد، جہاں برنی صاحب کے مجربات تیار ہوتے تھے۔

۱۔ اکسیر کبیر: معدہ کی شکایات میں مفید ہے۔

۲۔ اکسیر آئل: جسم کے درد، ورم، نزلہ، زکام، انفلوئنزا میں مفید ہے۔

۳۔ اکسیر مرہم: جلدی امراض کے لئے مفید ہے۔

۴۔ اکسیر دندان: خوشبودار ٹوتھ پیسٹ، دانتوں کی شکایات میں مفید ہے۔

مزید برآں بعض موذی امراض جو بالعموم لاعلاج مانے جاتے ہیں۔ بالخصوص جذام کینسر ایسے امراض کا بھی علاج بطور خاص کیا جاتا تھا۔

یہ فارمیسی اکسیر انسٹی ٹیوٹ موصوف نے ۱۹۵۸ء میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے قائم کیا تھا۔
